

11  
Done  
10

DATE LABEL

|  |  |  |  |
|--|--|--|--|
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |
|  |  |  |  |

Call No. ....

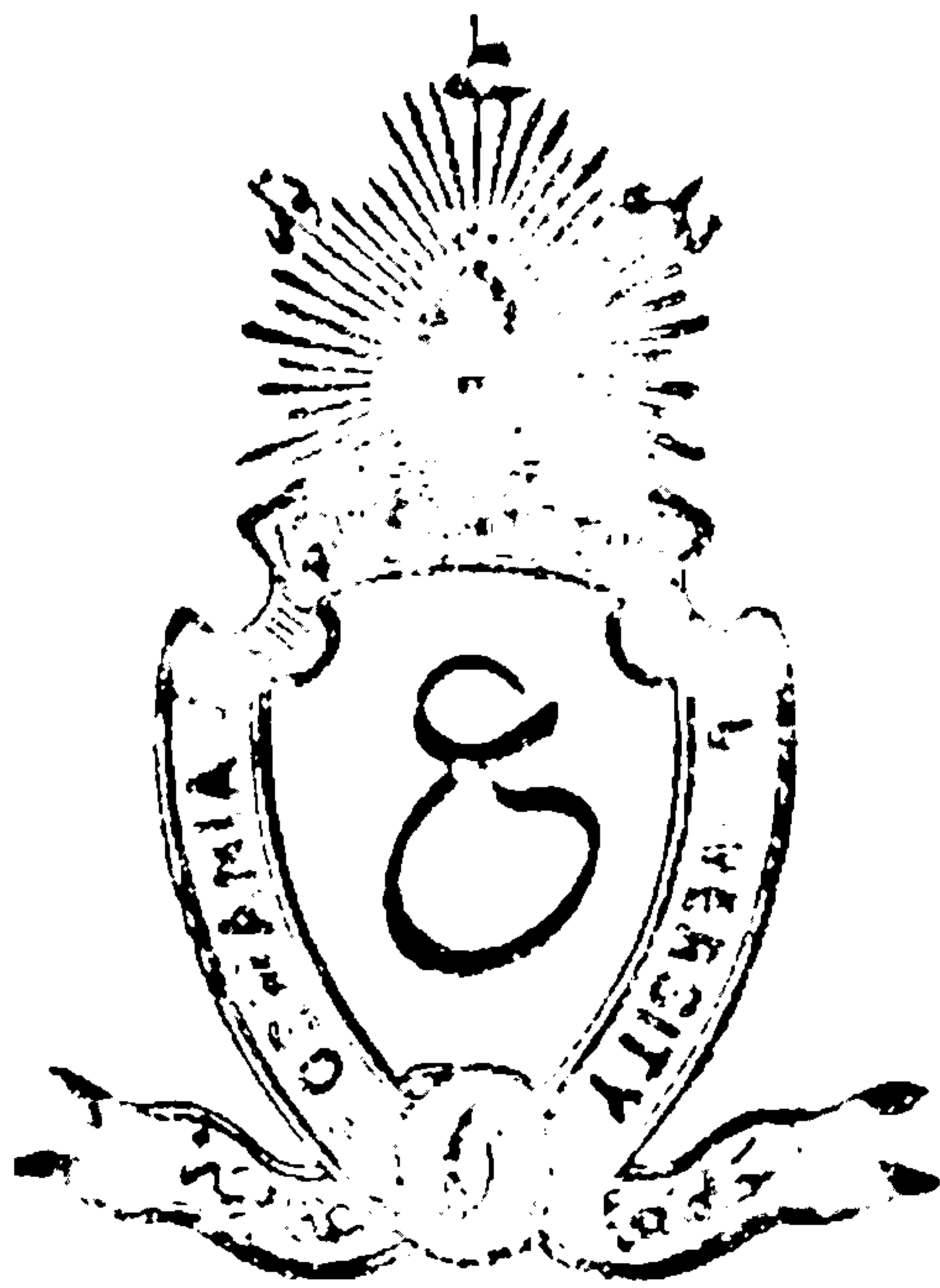
Date .....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of .06 P. will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.





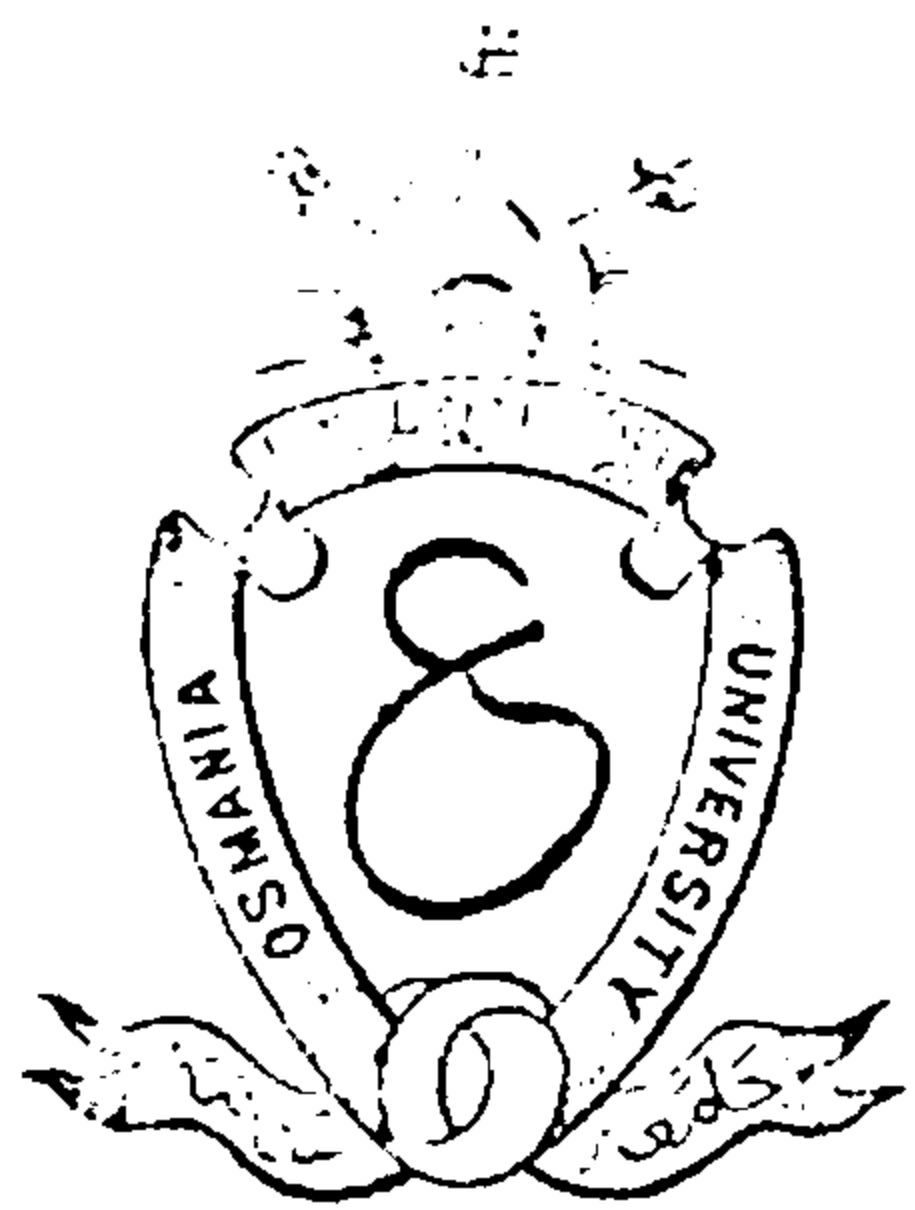
فصوص الحكم

Handwritten signature or mark.



8676  
9/8/82

ST/82



نظامتہ تعلیم و تحقیق

# فصول احکم

شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الاندلسی الدمشقی

ترجمہ

از مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی

سابق صدر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ

سن ۱۳۶۰ھ ۱۳۵۱ھ ۱۹۴۲ء

الطبع مطبعہ اسلامیہ کراچی



297.4

ش 42 ف

# مفتاح الدین

## فصوص الحکم (اردو)

| صفحہ | نام فص       | عدد فص |
|------|--------------|--------|
| ۳    | ۲            | ۱      |
| ۱    | فص آدمیہ     | ۱      |
| ۲    | فص شیشیہ     | ۲      |
| ۲۳   | فص نوحیہ     | ۳      |
| ۷۱   | فص ادریسیہ   | ۴      |
| ۸۵   | فص ابراہیمیہ | ۵      |
| ۹۷   | فص اسحاقیہ   | ۶      |
| ۱۱۹  | فص اسماعیلیہ | ۷      |
| ۱۳۵  | فص یعقوبیہ   | ۸      |
| ۱۴۷  | فص یوسفیہ    | ۹      |
| ۱۶۳  | فص ہودیہ     | ۱۰     |
| ۱۸۳  | فص صالحیہ    | ۱۱     |
| ۱۹۷  | فص شعیبیہ    | ۱۲     |
| ۲۱۵  | فص لوطیہ     | ۱۳     |

| صفحہ | نام فص      | عدد فص |
|------|-------------|--------|
| ۳    | ۲           | ۱      |
| ۲۲۹  | فص عزیزیہ   | ۱۴     |
| ۲۴۹  | فص عیسویہ   | ۱۵     |
| ۲۸۱  | فص سلیمانیہ | ۱۶     |
| ۳۰۷  | فص دباؤ دیہ | ۱۷     |
| ۳۲۱  | فص یوسپیہ   | ۱۸     |
| ۳۲۹  | فص الیوبیہ  | ۱۹     |
| ۳۴۱  | فص بحیویہ   | ۲۰     |
| ۳۴۷  | فص ذکر ویہ  | ۲۱     |
| ۳۶۱  | فص الیاسیہ  | ۲۲     |
| ۳۷۳  | فص لقمانیہ  | ۲۳     |
| ۳۸۱  | فص مارونیہ  | ۲۴     |
| ۳۹۳  | فص موسویہ   | ۲۵     |
| ۴۱۹  | فص خالدیہ   | ۲۶     |
| ۴۲۳  | فص محمدیہ   | ۲۷     |

مفتاح

ترجمہ

فصول کا





مگر فقیر نے تو کلت علی اللہ کہہ کر لکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو درجہ اتمام تک پہنچا دیا۔ اس ترجمے کے کیا کیا خصوصیات ہیں مقدمے سے اجمالاً اور اصل کتاب سے تفصیلاً معلوم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مثل اصل کتاب کے اس ترجمہ و شرح کو قبول عام عطا فرمائے۔



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

|              |                                                                                                                                                                                                        |
|--------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| نام مع ولدیت | الشیخ محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی۔<br>یہ قبیلہ بنی طے اور حاتم طائی کی اولاد میں سے ہیں۔                                                                                       |
| ولادت        | سترھویں رمضان سن ۱۱۳۵ھ میں تولد ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت ”نعمت“ ہے۔                                                                                                                                     |
| مولد         | مرسیہ از متعلقات اندلس یا اسپین یا ہسپانیہ۔                                                                                                                                                            |
| وفات         | بانیس ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ میں اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف توجہ کی۔ آپ کا سال وفات ”صاحب الارشاد“ سے نکلتا ہے۔                                                                                       |
| مزار         | آپ کا مزار دمشق شام میں ہے۔ مزار پر نہایت عمدہ گنبد ہے، اور ایک بہت عمدہ مسجد اس سے ملحق ہے۔ یہ مزار محلہ صالحیہ میں ہے۔ پاس قاسون پہاڑ ہے جس پر غار اہل کھف ہے۔ اس پہاڑ پر بابل کا خون بھی بتاتے ہیں۔ |

# طریقه کسب سیر

.....

رب العالمین حبیب رب العالمین محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم.

وعنه الامام نضر العجائب علی ابن ابی طالب رضی الله عنه.

وعنه سیدنا الحسن البصری رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو محمد الحبيب الجمی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا داؤد الظالمی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا معروف لکرمی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا السرمی السقطی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا سید الطائفة ابو القاسم بن عبد الباقی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو بکر محمد بن خلف الشبل رضی الله عنه.

وعنه سیدنا عبد العزيز بن الحارث التمیمی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا عبد الواحد بن عبد العزيز التمیمی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو الفرج محمد بن عبد الله الطبرسی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا علی بن احمد البکری رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو سعید المبارک بن علی التخرمى المحمدي رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو محمد الغوث الاعظم محی الدین عبد الله بن الحسن السیستانی رضی الله عنه.

وعنه سیدنا ابو السعود ابن الشبل رضی الله عنه.

وعنه الشيخ محی الدین محمد بن علی بن محمد الاندلسی الدمشقی المشهور بالشيخ الكافي رضی الله عنه.

.....

# شیخ کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے

سیدنا مرآۃ الذات و اول التجلیات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔  
 وعنہ الامام الہمام اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا الشیخ الحسن البصری رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا عبد الواحد بن زید رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا فضیل بن العیاض رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سلطان ابراہیم بن ادہم البلخی رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ ابو علی شعیب بن علی بن ابراہیم رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو تراب عسکری النخعی رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو عمرو الاصبہانی رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا جعفر الخزاز رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو عبد اللہ بن الحفیف رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا الحسن الاکار رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو اسحاق بن شہریار المرشد رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو الفتح محمود بن احمد بن علی رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو الحسن علی بن محمد البصری رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ سیدنا ابو الفتح محمد بن قاسم الفاسی العدل رضی اللہ عنہ۔  
 وعنہ شیخ الاکبر محی الدین بن علی العزلی الطائی الاندلسی الدمشقی رضی اللہ عنہ۔

# شیخ کے معاصرین



الشیخ شہاب الدین عمر الصدیقی السہروردی رضی اللہ عنہ۔

الشیخ اودھ الدین الکرامانی رضی اللہ عنہ۔

الشیخ صدر الدین القونوی رضی اللہ عنہ۔

الشیخ مؤید الدین الجندی رضی اللہ عنہ۔

الشیخ عمر بن فارص البکری المصری رضی اللہ عنہ۔

الشیخ فخر الدین العراقي رضی اللہ عنہ۔

شیخ کے آخر زمانے میں جلال الدین صدیقی رومی رحمۃ اللہ علیہ۔



# شارحین فصوص الحکم

عربی میں حسب ذیل شروع فصوص الحکم میری نظر سے گزری ہیں:-

شیخ مویذ الدین بن محمود الجندی۔

شیخ صدر الدین القونوی۔

داؤد بن محمود الرومی القیصری۔

نور الدین عبد الرحمن جامی۔

عبد الغنی الندلسی۔

الکاشانی۔

فارسی شروع: نعمت اللہ شاہ ولی۔

مولوی احمد حسین کان پوری۔

اردو ترجموں میں: عبد الغفور دوستی

مولوی سید مبارک علی۔ جو حضرت شاہ فیض الدین دہلوی

کے ترجمہ قرآن کے ہمزنگ ہے۔

مجھے سب سے زیادہ فائدہ و مدد قیصری و جامی سے ملی ہے۔

مختلف شروع کے دیکھنے سے ایک حد تک کتاب کی تصحیح ہوتی ہے۔

مگر مجھے شرح قیصری ایسی ملی جو کسی ماہر عالم نے اس کو صحیح کیا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

فصوص الحکم کی جو شیخ کے مصنفات میں اوسط حجم کی کتاب ہے۔ اس لیے اہمیت پیدا ہو گئی ہے کہ شیخ نے مکاشفے میں دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب ان کو دی ہے اور اس کے ظاہر کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔

فصوص الحکم میں شیخ قرآن شریف میں انبیاء کے قصوں اور ان کے حالات میں جو کچھ آیا ہے۔ ان سے یا تو بطور تفسیر کے یا بطور اعتبار کے مسائل توحید و تصوف کو استنباط کرتے ہیں۔ شارحین اس کتاب سے ایسے مرعوب ہیں کہ آیات قرآنی کی تاویل کرتے ہیں۔ مگر شیخ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔ نہ ان کے عقاید سے جو فتوحات مکہ کے شروع میں بیان کیے گئے ہیں، توفیق و تطبیق دینے کی سعی کرتے ہیں۔

دوسرے شارحین کے برخلاف فقیر شیخ کے قول کی تاویل کرتا ہے۔ اور ان کے عقاید کے ساتھ توفیق دیتا ہے۔



# شیخ کے تصنیفات



عقلہ المستوفزہ۔

عقیدہ مختصرہ۔

عنقائے معترَب۔

قصیدہ البلاد رات العینہ۔

القول النفیس۔

کتاب تاج الرسائل۔

کتاب الثمانیہ والثلاثین وہو کتاب الازل۔

کتاب الجلالہ۔

کتاب ما اتی بہ الوارد۔

کتاب النقباء۔

کتاب الیاد وہو کتاب الہود۔

مجموعہ رسائل ابن العربی۔

مراتب الوجود۔

مواقع الخوم

فتوحات مکئیہ

چار بڑی بڑی جلدوں میں ہے۔

نقش النصوص

تفسیر صغیر

تفسیر کبیر

اس کی شرح مولانا جامی نے کی ہے اور  
 اس کا نام نقد النصوص ہے بمبئی میں ملتی ہے۔  
 جو مطبوعہ مصر ہے، عام طور سے ملتی ہے۔  
 جو سنتے ہیں کہ فرانس کے کتب خانے میں  
 اس قلمی ہے۔

کتب مندرجہ بالا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ اور ان میں کی  
 بہت سی کتابیں خود فقیر کے پاس بھی موجود ہیں۔ ان کے سوا شیخ گنی  
 بہت سی تصنیفات ہیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔



# طریق ترجمہ و شرح

لوگوں کو شیخ کی طرز تحریر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں۔ بعض اُن کو قطب معرفت سمجھتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیتوں کی تاویل کرتے ہیں۔ مگر شیخ کے اقوال کی تاویل نہیں کرتے اور بعض اُن کے برعکس شیخ کی تکفیر میں بھی تفصیل نہیں کرتے۔

بعض نادان یورپ زدہ شیخ کے فلسفے یا حکمت کو افلاطون کا فلسفہ سمجھتے ہیں۔ مگر اُن کی سمجھ میں نہیں آتا، کہ تمام کتاب جنید بغدادی، ابویزید بسطامی، سہیل بن عبد اللہ تشری کے اقوال اور آیات قرآن مجید و احادیث شریف سے بھری پڑی ہے۔ اور اپنے کشف کا بھی جابجا ذکر کرتے ہیں۔ مگر اس میں افلاطون کا کہیں، ایک جگہ بھی ذکر نہیں ہے۔ اول تو یہ ثابت ہی کیا ہوا ہے۔ کہ فلسفہ افلاطون کی کتاب شیخ کو پہنچی بھی تھی۔ کسی دشمن مسلمانان نے لگا دیا کہ شیخ نے افلاطون سے لیا۔ اور مقلدوں کے لیے بس آیت اترائی۔ ظالم اڑاتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے رومن لا سے لیا۔ یا توراۃ انوشیرواں سے لیا۔ اُن کو معلوم نہیں کہ عقاید و فقہ کے اصول ہیں کیا۔ یہاں قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر تو ہو سکتی ہے۔ اُن سے احکام استنباط کیے جاتے ہیں۔ مگر اُن کے خلاف ایک مسئلہ بھی



عرب شاعر کہتا ہے ۔  
 قَالُوا اقْتَرِحْ شَيْئًا نَجِدُ لَكَ جَلْفًا  
 قُلْتُ اَطْلُبُوا لِي جُبَّةً وَقَمِيصًا  
 لوگوں نے کہا کچھ کھانے کی فرمائش کرو ہم اُس کو اچھی طرح سے  
 پکائیں گے۔ میں نے کہا ایک جبتہ و قمیص پکاؤ۔ یعنی ایک جبتہ و قمیص  
 سی دو۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَ مَكْرُوا وَمَكْرُ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ  
 انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے اُس کی سزا دی۔ اللہ مکراروں کو سزا  
 دینے والوں میں بہت سخت ہے۔ شیخ کہتے ہیں فی عبدانی و اعبدوا حق تعالیٰ  
 کے صفات اضافیہ۔ مثلاً رزاق۔ معطی۔ رب کو اپنے ظہور میں عبد کی  
 ضرورت ہے۔ اور عبد تو اپنے رب کی طرف وجود میں، اور تمام قوتوں  
 میں محتاج ہے ہی۔ ایسی صورت میں نقیر لفظی ترجمہ کرنے کو مناسب  
 نہیں سمجھتا۔ بلکہ مرادی معنی بیان کرتا ہے۔ تاکہ سوئے ادبی کی صورت  
 بھی پیدا نہ ہو۔

شیخ جب ایک دفعہ ایک مسئلہ کو جامع مانع اور قیود و شرائط  
 لگا کر بیان کر دیتے ہیں؛ تو طالب پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اُس کو ہمیشہ  
 پیش نظر رکھے گا۔ اور بار بار شرائط و قیود نہیں لگاتے۔ مثلاً ایک دفعہ  
 لکھ دیا کہ موجود بالذات خدا کے سوا کوئی نہیں۔ سب ماسوا اللہ  
 موجود بالعرض ہیں۔ پھر کہیں لکھ دیں گے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں۔  
 یعنی بالذات کوئی نہیں۔ اس کے معنی ہرگز یہ نہیں۔ کہ حقایق اشیا  
 باطل ہیں۔ عبد و رب میں کوئی فرق نہیں۔

ادیبوں کی عادت ہے۔ کہ کمزور اور ناقابل لحاظ شے کو بمنزلہ عدم کے  
 سمجھتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دینے والا چہری کون۔ یعنی  
 آپ کے جو دو سخا کے مقابل دو سروں کی داد و دیش ناقابل ذکر ہے۔  
 ہیچ پوچ ہے۔ اسی طرح خدا کے بالذات وجود و قوت کے مقابل  
 بندوں کا وجود اور قوتیں ناقابل شمار ہیں۔ حکم عدم میں ہیں۔ ادبی جملے میں جو  
 لطف ہے۔ وہ منطقی قضیے میں کہاں۔ ہر جگہ منطقی لطف سخن کو نابود

کر دیتی ہے۔

بعض الفاظ کے نوادفت میں مختلف معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً جان۔  
 آفتاب۔ ذات۔ طلا۔ یعنی سونا۔ حتمہ۔ زکوہ۔ نعتا۔ ایک ایک لفظ کے  
 کچھ ہیں۔ بعض لفظ کے معنی لانت اور بیاں ہیں کچھ اور ہوتے ہیں۔ اور  
 عرف۔ شرع یا اصطلاح خاص میں کچھ اور۔ مثلاً پیامبر ہندو کے لئے  
 اور عرف شرع میں۔ وہ ہندو کا معصوم و ممتاز زینہ و جویا مہادیو اس کے  
 بندوں کے پاس لاتا ہے۔ رسول ان میں سے ہے۔ رسول پر نازل ہونے والے تمام وحی الی الخ لہ یہ کہ  
 الہام۔ رسول پر نازل ہونے والے تمام وحی الی الخ لہ یہ کہ  
 الہام کیا۔ بنی۔ بانبر و انت۔ پیغمبر۔ اس سب مقامات میں رسول کے  
 معنی متعین ہوتے ہیں۔ بعض جملہ شیخ نے اس کا مفہور نسب و نسب دار  
 کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ نہ کہ معنی پیغمبر و صاحب جوتہ۔ معنی اخوان کو  
 موقع مل گیا کہ شیخ خاتم النبیین کے بعد ہی سلسلہ نبوت کے جاری رہے  
 کے قائل ہیں۔ ایسی صورت میں اتنے شریکوں کے لئے اور منافقوں کے لئے یہ  
 یہاں شیخ نے اس لفظ کو لغوی معنی میں مستعمل کیا ہے نہ کہ لغوی شریعی  
 معنی میں۔ فصوص میں اس قسم کے متغیر مقامات میں اس کے تعین سے  
 سے زیادہ کونسا قرینہ مؤید ثابت کہ یہاں لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ  
 اصطلاحی شرعی۔

بعض دفعہ متضاد الفاظ میں استعمال کرتے ہیں، لفظ ظلم  
 بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ہوا الاول و آخر و الظہر و الباطن۔ بیور  
 فقیر مترجم کو وجہ اعتبار و لحاظ دکھانا پڑتی ہے۔ مثلاً وہ اول ہے  
 بلحاظ احدیت و ذات کے اور آخر ہے بلحاظ احدیت و اسما  
 و صفات کے۔ وہ ظاہر ہے بلحاظ آثار کے۔ اور باطن ہے بلحاظ اعتبار۔  
 کہ نہ حقیقت کے۔ غرض کہ فقیر مترجم کو ہر امر کی وجہ بیان کرنی پڑتی ہے۔  
 شیخ بکثرت اعتبار کو استعمال کرتے ہیں۔ ایک شخص کے قول کو یا

شعر کو اپنے حسب حال معنی پر ڈھال لینا اعتبار ہے۔ حضرت سلطان العاشقین شیخ عمر بن فارض بکری کا دیوان مشہور ہے۔ ہر مذہب کے لوگ اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اُن کا قصیدہ خمریہ اور تائیتہ الکبریٰ معروف ہے۔ بڑے بڑے فاضلوں نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں سے مولانا عبدالرحمن جامی کی لوا مع مطبوع و متداول ہے۔ اس سے ہر شعر کو حقانی معانی پر ڈھال لینے کی طرف راستہ ملتا ہے۔ کونسا نادان سمجھے گا کہ سلطان العاشقین شراب خوار تھے۔ اور ام الحناث کی ثنا خوانی کرتے تھے۔ اور مرزا عبدالقادر بیدل۔ یا خواجہ شمس الدین حافظ کا مقصود شراب سے ام الحناث تھا۔ اس سے مراد جوش محبت ہے۔ لیلیٰ مجنوں کی ہڈیاں تک باقی نہیں، کونسا شاعر اس خاص مرد خاص عورت پر شعر کہتا ہے۔ مجنوں سے مراد عاشق ہے اور لیلیٰ سے مراد محبوب ہے۔ میں نے حکیم عمر بن ابراہیم خیام کے چند رسائل کے ترجمے کیے ہیں۔ بڑا مذہبی، محب خدا و رسول شخص ہے۔ اُس کو تو لوگوں نے ایسا شرابی کہا بنا دیا، کہ تو بہ بھلی۔ ہر رباعی کے متعلق اس کے منظر کی تصویر بنا دی اس پر جھوٹی کہانیاں بھی کھڑکیں۔

ایک بزرگ ماتھ میں تسبیح لیے خلوت گاہ میں بعض اسمائے الہیہ کی زکوٰۃ دے رہے تھے۔ اُن کی خلوت گاہ کے قریب دو عورتیں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایک نے پوچھا تو نے آج کیا کیا۔ دوسری نے بتایا کہ اتنے روپے۔ پہلی نے مصارف پوچھے۔ دوسری نے چند مصارف بتائے۔ پہلی نے کہا۔ کیوں تو نے، اپنے یار کو اتنے روپے نہیں دیے۔ دوسری نے کہا۔ حساب دوستان در دل۔ یہ سنتے ہی اس خلوت نشین صاحب نے تسبیح توڑ ڈالی اور اٹھ کھڑے ہوئے کہ حساب دوستان در دل نہ کہ در تسبیح۔

بعض حضرات نے قرآن مجید سے اعتبار لینے اور عبرت حاصل کرنے کے اصول میں رسالے لکھے ہیں۔ شیخ نے بھی آیات قرآنی سے اعتبارات

پیدا کیے میں۔ وہ تفسیر قرآن نہ لے سکتے تھے۔ تفسیر سمجھنا اور شیخ سے  
 لڑنا، ظلم ہے ظلم سے سخن شناس نئی دلیہ خطا اس با ست "شیخ  
 اعتبار لیتے ہیں، کہ موسیٰ قلب سلیم اور ہارون عقل مستقیم فرعون نفس بعین  
 کے پاس تبایع حق کرنے کو پہنچے۔ توحید الہی کی طرف دعوت دی۔ وہ  
 سرکش بھلا کیا مانتا تھا۔ موسیٰ قلب سلیم نے چند آثار قدرت الہی معجزات پر  
 متوجہ کرایا اور معجزے دکھائے۔ اُس نے بھی چند قوت ارادی کے کرتبوں  
 کے ساحروں کو پیش کر دیا۔ موسیٰ قلب سلیم کے عصا کے سامنے وہ کیا بھیہ سکتے تھے  
 قوت ارادی کے کرتب بھی روحانیت کی جنس سے تھے۔ اُنہوں نے  
 آثار قدرت الہی دیکھ کر حق المعبود کے سامنے سر جھکا دئے۔ فرعون نفس  
 چونکہ روحانیت سے نا آشنا تھا، اُس نے نہ سمجھا اور نہ مانا موسیٰ قلب سلیم  
 مع متبعین خیالات طیبہ، فرعون نفس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے  
 دریائے وحدت حق میں سے پار نکل گئے، اور سرزمین بقا باللہ میں  
 پہنچ گئے۔ فرعون نفس نے اپنے خطرات و ایہ کے شکر کے ساتھ اُن کا  
 تعاقب کیا۔ دریائے وحدت میں ڈوبنے لگا تو چلا اٹھا کہ میں بھی  
 موسیٰ قلب سلیم و ہارون عقل مستقیم کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لہذا  
 فرعون نفس ایمان کے ساتھ ظاہر و مظهر فنا ہو گیا۔ آگے بقا باللہ کی سرزمین میں  
 قلب سلیم اور عقل مستقیم تو رہے ہیں۔ مگر نفس اور اُس کے وساوس  
 و خطرات کا بالکل پتا نہیں۔ یہ تفسیر نہیں ہے اعتبار ہے۔

اعتبارات کے مقامات میں فقیر مترجم، ادل تفسیر کرتا ہے۔  
 پھر اعتبار بتاتا ہے۔ تاکہ کوئی نادان اعتبار کو تفسیر نہ سمجھے۔ یہ عجیب  
 بات ہے کہ اعتبارات بھی جس قدر آیات قرآن مجید سے حاصل  
 ہوتے ہیں کسی اور کلام سے نہیں ہوتے۔ قرآن مجید تو اس حیثیت  
 سے بھی معجزہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔  
 شیخ جابجا مختلف علوم مثلاً ہیئات منطق۔ کلام کے مسائل کی طرف اشارہ  
 کر دیتے ہیں۔ ترجمے میں ان مسائل کی توضیح کرنی پڑتی ہے۔

# عقاید شیخ اکبر



شیخ فتوحات گئیہ جلد اول صفحہ (۳۶) میں فرماتے ہیں۔  
 اے میرے برادران! واجب اللہ تعالیٰ تم سے راضی رہے۔  
 تم کو گواہ بناتا ہے عبد ضعیف مسکین جو ہر آن ہر لحظہ فقیر و محتاج الی اللہ ہے۔  
 وہ اس کتاب کا مصنف و منشی ہے۔ وہ تم کو اپنے نفس پر گواہ کرتا ہے۔  
 بعد اس کے کہ وہ گواہ کرتا ہے، اللہ کو اُس کے فرشتوں کو، اور تمام  
 حاضر مومنین کو، اور جو سنیں اُن کو بھی اپنے قول و عقیدے پر شاہد  
 بناتا ہے کہ

اللہ ایک ہے۔ الوہیت میں اُس کا ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے  
 پاک ہے، منزہ ہے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں،  
 بادشاہ ہے۔ اُس کا کوئی وزیر نہیں۔ صانع ہے اُس کو کوئی تدبیر سکھانے والا  
 نہیں۔ وہ بذاتہ موجود ہے۔ وہ کسی موجد کا محتاج نہیں۔ اللہ کے سوا  
 جتنی چیزیں ہیں، اپنے وجود میں سب اُس کے محتاج ہیں۔ پس تمام عالم  
 اُس سے موجود ہے۔ وجود بالذات و بنفسہ سے صرف وہ موصوف ہے۔

وہ عرض نہیں ہے کہ اُس کی بقا مستحیل ہو۔ وہ جسم نہیں ہے کہ اُس کے لیے جہت اور مقابلہ ہو۔ وہ جہات و اقطار سے مقدس و پاک ہے۔ اُس کا دیدار دل سے بھی ہو سکتا ہے اور آنکھوں سے بھی۔ جب چاہے اپنے عرش پرستوی و جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس استواء سے اللہ کی جو مراد ہویں اُس پر ایمان رکھتا ہوں۔ عرش و ماسوائے عرش حق جل و علا ہی سے قائم ہے۔ دُنیا بھی اُسی کی ہے آخرت بھی اُسی کی۔ اول آخر سب اسی کا ہے۔ اُس کا مثل معقول نہیں۔ اُس کی بے نظیری مجہول نہیں۔ زمانہ اس کو محدود نہیں کر سکتا۔ مکان اُس کو بلند نہیں کر سکتا۔ وہ اُس دم بھی تھا جب مکان نہ تھا۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا اور رہے گا۔ مکان اور ممکن دونوں کو اُس نے پیدا فرمایا۔ زمانے کو بھی اس نے پیدا کیا۔ وہ فرماتا ہے میں ایک ہوں۔ زندہ ہوں۔ مجھے خاقت مخلوقات دشوار نہیں۔ اُس کی کوئی صفت ایسی نہیں جو مصنوعات کے پیدا کرنے میں پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں۔ یا اُس کے صفات اس کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے پہلے ہو۔ کیونکہ یہ قبل و بعد زمانے کے لحاظ سے ہیں۔ جو اُس کا مخلوق ہے۔ وہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی دوسری شے نہ تھی۔ وہ قیوم ہے۔ اُس پر سب کا قیام و دار و مدار ہے۔ وہ کبھی نہیں سوتا۔ وہ تہا رہے۔ اُس کی ساحت عزت تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس کا مثل کوئی نہیں۔ اُس نے عرش پیدا کیا۔ اور استواء کو سلطنت کی حد بنایا۔ اُس نے کرسی پیدا کی۔ پست زمین اور بلند آسمانوں سے اُس کو وسیع تر پیدا کیا۔ اُس نے لوح و قلم کو پیدا کیا اور روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ اپنے علم کے مطابق قلم سے لکھوایا۔ اُس نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے عالم کو پیدا کیا۔ مخلوقات کو پیدا کیا۔ اور اُن کو کہنے بھی کر دیا۔ ارواح کو اجساد میں آمین بنا کر اُتارا۔ اور ارواح کو اجساد میں جن میں روح اُتری ہے اپنا خلیفہ بنایا۔ آسمان زمین میں جو کچھ ہے اس کو اپنی قدرت سے انسان کا مطیع فرما دیا جو ذرہ حرکت کرتا ہے، اُس سے اُسی کی طرف حرکت کرتا ہے۔ سب کچھ

اُس نے پیدا کیا۔ اُس کو کسی کی حاجت نہ تھی۔ اُس پر اُن کے پیدا کرنے کو کسی نے واجب نہیں کیا۔ پیدا کرنے سے پہلے اُس کو ان سب کا علم تھا۔ لہذا وہی اول ہے وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ وہ شے پر قادر ہے۔ سب کو علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ تمام اشیا کے عدد سے وہ واقف ہے۔ وہ رازوں کو اور خفی تر چیزوں کو جانتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت اور سینے جن چیزوں کو چھپاتے ہیں سب کو جانتا ہے۔ بھلا جس کو اُس نے پیدا کیا ہو اُس کو کیوں نہ جانے گا۔ کیا خود خالق بھی ہوگا۔ اور پھر مخلوق کو نہ جانے گا۔ وہ لطیف و خیر ہے۔ اشیا کے پہلے اُن کو جانتا تھا۔ پھر اپنے علم کے موافق اُن کو پیدا کیا۔ جب علم کے مطابق اشیا مخلوق ہوئے تو اس کا علم متجدد نہ ہوا۔ تمام چیزوں کو اتفاق و ضبط سے پیدا کیا۔ اُسی علم کے موافق تمام اشیا پر حکومت کرتا ہے۔ اور اُن پر دوسروں کو حاکم بناتا ہے۔ وہ تمام کلیات کو جانتا ہے جیسے وہ تمام جزئیات کا علم رکھتا ہے۔ اس مسئلے پر تمام عقل سلیم و رائے صحیح رکھنے والوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ پس وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جن چیزوں سے لوگ شرک کرتے ہیں، اُن سے وہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ اُس کی قدرت کسی شے سے متعلق ہوتی ہے۔ تو اس سے پہلے اُس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ کسی شے سے متعلق نہیں ہوتا مگر یہ کہ اُس سے پہلے علم متعلق رہتا ہے۔ یعنی جان کر ارادہ کرتا ہے، ارادہ کر کے کام کرتا ہے عقل محال سمجھتی ہے، کہ بغیر علم کے ارادہ کرے اور پھر فاعل مختار صاحب قوت و اقتدار بھی ہو۔ ترک فعل کی طاقت رکھتا بھی ہو۔ اسی طرح محال ہے کہ علم و ارادہ و قدرت ایسی چیزیں یائی جائیں جس میں حیات نہیں۔ اسی طرح محال ہے کہ صفات بغیر ذات کے قائم رہیں۔ پس پہلے ذات کا مرتبہ ہے، پھر صفات کا۔ صفات میں پہلے حیات ہے۔ پھر علم پھر ارادہ پھر قدرت و کلام۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام چیزیں ارادہ الہی ہی سے ہیں۔ خواہ طاعت ہو

خواہ عصیاں - خواہ فائدہ ہو خواہ نقصان - بندہ ہو یا آزاد - حیات ہو یا موت -  
 حصول ہو یا قوت - دن ہو یا رات - اعتدال ہو یا میل - بر ہو یا بحر -  
 جنت ہو یا طاق - جوہر ہو یا عرض - صحت ہو یا مرض - خوشی ہو یا غمی -  
 روح ہو یا جسد - روشنی ہو یا تاریکی - زمین ہو یا آسمان - ترکیب ہو  
 یا تحلیل - کثیر ہو یا قلیل - صبح ہو یا شام - سپیدی ہو یا سیاہی - سونا ہو  
 یا جاگنا - ظاہر ہو یا باطن - متحرک ہو یا ساکن - خشک ہو یا تر - پوست ہو  
 یا مغز - یہ سببتیں جو متضاد بھی ہیں، مختلف بھی، مماثل بھی - سب  
 تحت ارادہ حق جل و علا ہیں - یہ تحت ارادہ الہی کیونکر نہ ہوں گی - جب کہ  
 اللہ ان کا ایجاد کرنے والا ہے - کیا بے ارادہ کام کرنے والا مختار بھی  
 ہو سکتا ہے - کوئی اُس کے ارادے کو روک نہیں سکتا - کوئی اُس کے  
 حکم سے پیٹھ نہیں پھیر سکتا - جس کو چاہتا ہے ملک حکومت دیتا ہے جس سے چاہتا ہے  
 ملک و حکومت کو نکال لیتا ہے - جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے -  
 جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے - جس کو چاہتا ہے گم راہ کرتا ہے جس کو  
 چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے - جو چاہا ہوا - جو نہ چاہا نہ ہوا - بغیر اللہ کے  
 ارادے کے کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا - بندے کسی کام کا لاکھ ارادہ  
 کریں جب تک خدا نہ چاہے وہ کام نہ ہوگا - نہ اُس کے کرنے کی  
 استطاعت و قوت ہی پیدا ہوگی - پس کفر و ایمان، طاعت و عصیاں -  
 اُس کی مشیت و حکمت و ارادت سے ہیں - خدا نے تعالیٰ کا ارادہ  
 ازلی ہے - عالم بالذات معدوم ہے - غیر موجود فی الخارج ہے - اگرچہ  
 ذات الہی میں ثابت موجود ذہنی کے طور پر ہے - عالم کو خدا نے  
 ایجاد کیا - مگر اُس نے نہ فکر کی نہ جہل و عدم علم سے تدبیر کیا - اور نہ تفکر و تدبیر سے  
 علم مجہول حاصل ہوا - وہ اُس سے اعلیٰ و ارفع ہے - اللہ نے عالم کو  
 ایسا دیکھا - تو اپنے علم سابق کے موافق، اور ارادہ منزہ ازلی کے فیصلے  
 اور تعین کے مطابق، خواہ مکان ہو یا زمان یا اکوان - حقیقی و بالذات ارادہ  
 اللہ ہی کا ہے - وہ خود فرماتا ہے وَمَا تَشَاؤُنَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

اللہ تعالیٰ نے علم کے موافق حکم کیا۔ ارادے کے موافق خصوصیتیں عطا کیں۔ اندازہ و تقدیر کے موافق ایجاد کیا۔ جو متحرک و ساکن ہے جو عالم اعلیٰ و اسفل میں ناطق و گویا ہے۔ سب کو دیکھتا سنتا ہے۔ بعد اُس کی سماعت کا حجاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ قریب ہے۔ قرب، اُس کی بصارت کا حجاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ بعید ہے۔ دل ہی دل میں جو گفتگو کرو اُس کو وہ سنتا ہے۔ ہاتھ کی رگڑ کی خفیف سی خفیف آواز سنتا ہے۔ سیاہ چیز کو امدھیری و ظلمت میں۔ پانی کو پانی میں دیکھتا ہے۔ نہ ریش و امتزاج حجاب ہوتا ہے، نہ ظلمات و نور مانع۔ ہوا السَّمِیعُ البصیر اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، مگر اس سے پہلے نہ وہ صامت تھا نہ ساکت۔ جیسا اُس کا علم۔ ارادہ اور قدرت قدیم ہیں۔ اسی طرح اُس کا کلام بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اپنے کلام کا نام تنزیل و زبور و تورات و انجیل رکھا۔ اس کا کلام نہ انسان کی طرح حرف ہے نہ صوت نہ نغمہ نہ لغات۔ بلکہ وہ خالق اصوات و حروف و لغات ہے۔ اُس کے کلام کے لیے نہ زبان کی ضرورت ہے نہ گوئی کی حاجت۔ جس طرح کہ اُس کی سماعت کے لیے نہ سوراخ گوش کی ضرورت ہے، نہ کان کی جس طرح اُس کی بصر کے لیے نہ دیدے کی ضرورت ہے نہ پیوئے کی۔ جیسے اُس کے ارادے کا مقام نہ دل ہے نہ دماغ۔ اُس کا علم نہ اضطراب سے ہے، نہ دلیل و برہان میں غور و فکر سے۔ نہ اُس کی حیات اُس بخار سے ہے، جو امتزاج ارکان سے تجویف قلب سے نکلتا ہے۔ اُس کی ذات نہ قابل زیادت ہے نہ نقصان۔ سبحان اللہ وہ قریب بعید ہے۔ اُس کی سلطنت عظیم ہے۔ اُس کے احسانات عظیم ہیں۔ اُس کا اتقان کثیر ہے۔ ماسوا اللہ اُس کے جو دو سخا سے فایض ہیں۔ اُس کا فضل و عدل، باسط ہے، قابض ہے۔ عالم کی پیدائش کو کامل و عجیب و غریب بنایا۔ جب کہ اُس کو ایجاد کیا۔ اختراع کیا۔ اُس کا اُس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ نہ اُس کے ملک میں کوئی اُس کے ساتھ

مدبر ہے نہ مشیر ہے۔ اگر اُس نے انعام عطا کیا اور اچھا انعام ملے گا تو یہ اُس کا فضل ہے۔ اگر عذاب میں مبتلا کیا، تو اُس کا عدل ہے۔ اپنے غیر کے ملک میں اُس نے تصرف نہیں کیا۔ کہ جور و ستم کی اُس کی طرف نسبت کی جائے۔ کوئی اس پر حکم نہیں لگا سکتا۔ اُسے جزع و فزع کرنا پڑے۔ ہر ایک اُس کے سلطانِ قہر کے ماتحت ہے وہ اپنے ارادہ و امر سے متصرف ہے۔ وہ نفوس مکلفین میں تقویٰ و فجور ڈالتا ہے۔ لوگوں کے گناہوں سے جس سے چاہتا ہے تجاوز کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے مواخذہ کرتا ہے۔ یہاں بھی اور رزقیامت میں بھی۔ فضل کے موقع پر عدل نہیں کرتا۔ اور عدل کے موقع پر فضل نہیں کرتا۔ عالم کو دو ٹٹھیوں سے نکالا۔ اور ان کے دو درجے کیے پھر فرمایا یہ جنت کے لیے ہے، اور مجھے اس کی کیا پروا ہے اور یہ دوزخ کے لیے ہے اور مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ اس وقت اُس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ کیونکہ اُس وقت اُس کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔ سب اُس کے اسما کے زیر تصرف ہیں۔ ایک مٹھی میں کے تو بلا انگیز اسما کے ماتحت ہیں۔ اور ایک مٹھی میں کے انعام و اکرام بخش اسما کے ماتحت ہیں۔ اللہ سب کو خوش بخت کرنا چاہتا تو ہو سکتا۔ بد نصیب کرنا چاہتا تو کر سکتا۔ مگر اُس نے ایسا نہ چاہا۔ ہوا وہی جیسا کہ اُس نے چاہا۔ لہذا اُن میں سے بعض شقی ہیں، بعض سعید۔ یہاں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے حکم قدیم میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔ نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بظاہر یہ پانچ ہیں اور درحقیقت پچاس ہیں۔

میری بات بدل نہیں سکتی۔ میں بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ میرا تصرف میرے ملک میں ہے۔ اور میری مشیت میری ملک میں ہے۔ اس کی ایک حقیقت ہے، جہاں تک نہ بصارت کی رسائی ہے، نہ بصیرت کی۔ اور نہ فکر و ضمیر کو اس سے واقفیت ہے۔ مگر یہ کہ اللہ کی موبہت اور رحمان کی سخاوت ان بندوں سے متعلق ہو۔ جن پر توجہ خاص مبذول ہے۔ اُس کے نظامِ نامے میں مکتوب ہے۔ ان سب سے معلوم ہو گیا کہ شانِ الوہیت نے یہ تقسیم کی ہے۔ اور اس میں حکمت قدیم ہے۔ سبحان اللہ اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ وہ سب کا خالق ہے۔

اُس کا کوئی خالق نہیں خلق کرو ما تعملون اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے افعال کو بھی لایسأل عما یفعل وہم یسئلون اُس کے کام پر کسی کو سوال کرنے کا مقدور نہیں۔ بندوں سے جواب پُرسی کا اُس کو حق ہے اللہ الحجۃ البالغۃ لو شاء لہدنا لکم اجمعین اللہ کی حجت تام ہے۔ وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔

دوسری شہادت۔ میں گواہ بناتا ہوں نیز اُس کے فرشتوں کو اور تمام خلق کو، اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں توحید الہی کا قایل و معتقد ہوں۔ نیز اللہ سبحانہ کو گواہ بناتا ہوں۔ اور فرشتوں کو اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں حضرت مصطفیٰ مختار و محبتی برگزیدہ خلایق و موجودات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپ سراج منیر ہیں۔ شمع روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کچھ اُمارا اُس کی تبلیغ کی۔ اللہ کی امانت کو آپ نے ادا کیا۔ آپ نے حجۃ الوداع آخری حج میں تمام حاضرین کے سامنے خطبہ پڑھا۔ آپ نے نصیحت کی، ڈرایا و صمکایا۔ خوشخبری دی۔ وعدہ و وعید فرمایا۔ گویا آپ برسے بھی گرجے بھی۔ آپ کی نصیحت کسی سے خاص نہ تھی۔ یہ سب حکم واحد و صمد تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ دیکھو کیا میں نے تبلیغ نہیں کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ آپ نے تبلیغ کی سب کچھ پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تو گواہ رہے۔ پھر آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت جو کچھ عقاید و احکام لائے ہیں، میں اُس پر ایمان لایا ہوں۔ میں اُس کا مومن ہوں۔ احکام نبوی میں سے جن کو جانتا ہوں، جن کو نہیں جانتا سب پر ایمان ہے۔ میں ایسا ایمان رکھتا ہوں جس میں نہ شک ہے نہ شبہہ۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ وقت مقرر پر موت حق ہے۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ اجساد کا قبروں سے بعث اور اٹھنا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض اور پیش ہونا حق ہے۔ حوض کوثر حق ہے۔ میزان حق ہے۔ اعمال ناموں کا اڑکرا تھوں میں آنا حق ہے۔ صراط پر سے گزرنے کا حق ہے۔ جنت بھی حق ہے۔ دوزخ بھی حق ہے۔



# شیخ کا فلسفہ



شیخ کے فلسفے یا تصوف کا دار و مدار ان اصول پر مبنی ہے۔  
(۱) وجود بالذات حق تعالیٰ میں منحصر ہے۔ ماسوا اللہ کا وجود  
بالعرش ہے۔

ممکن کا بالعرش وجود (حسرت) ہستی حق ہی حقیقت ہے  
(۲) وجود بمعنی مابہ الموجودیۃ عین ذات حق ہے۔ حق تعالیٰ  
کے سوا جتنے ہیں سب انتزاعی ہیں۔ ان کا وجود مستقل ترکجا۔ وجود انضمامی  
بھی نہیں ہے۔

خارج میں ہے اصل وجود (حسرت) علم میں ساری حقیقت ہے  
(۳) اسمائے الہیہ نیز ممکنات لاعین ولا غیر ہیں۔ یعنی ان کا منشا  
ذات حق ہے۔ اور بعد از نزاع و مفہوم ہونے کے غیر ہیں۔  
ذات و صفت ہیں فہم میں غیر منشا میں عینیت ہے  
(۴) علم و معلومات حق یعنی اعیان ثابتہ کا مرتبہ قبل قدرت  
وارادہ ہے۔ یعنی غیر مخلوق ہیں۔

کُن سے پہلے جو کچھ سب (حسرت) وہ مافوق القدرت ہے  
(۵) اعیان ثابتہ و حقایق اشیا ظہور است اسما الہی کے  
امکانات ہیں۔ جن کو وجودنا رچی کی بوتلم نہیں پہنچی۔

اعیال امکانات ہی ہیں (حسرت) ال میں کب وجودیت ہے  
(۶) کُن سے پہلے مراتب داخلی والہی میں۔ اور کُن کے بعد  
مراتب خارجی و مخلوقات میں۔

(۷) اعیان ثابتہ مخلوقات و حقایق کونیہ و طبائع ممکنات پر  
اسما و صفات الہی کی تجلی ہوتی ہے۔ یا یوں کہو کہ علم کے ساتھ قدرت الہی  
ملتی ہے۔ تو ان دونوں کے ملنے سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے۔ وہ  
مخلوقات و ممکنات ہیں۔

عین سے جب کُن ملتا ہے (حسرت) حادث ساری خلقت ہے  
(۸) اعیان ثابتہ و حقایق ممکنات پر۔ ویسی ہی تجلی ہوتی ہے۔  
جیسا اُن کا اقتضا ہے۔

دیتا ہے ہر اک کو حکیم (حسرت) جس کی جیسی لیاقت ہے  
وہی نمایاں ہوتا ہے جس کی جیسی فطرت ہے  
(۹) حقیقت کلی پر تجلی کلی، اور حقیقت جزئی پر تجلی جزئی  
ہوتی ہے۔

قدر و سعائینہ (حسرت) تباہ ہوتی صورت ہے  
(۱۰) اعیان و حقایق کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ  
ایسے کیوں ہیں۔

کیونکہ سوال کی صیغہ ہے خارج اس سے حقیقت ہے  
(۱۱) تقدیر کیا ہے۔ عالم میں جو کچھ نمایاں ہونے والا ہے۔ اس کا  
نظام العمل یا پروگرام ہے۔

ترتیب اعیال میں ظہور (حسرت) عین قدر و قسمت ہے  
(۱۲) اے با پیدا ہوا۔ با کا نتیجہ ج ہے۔ ج کو لازم ہے تو

یہ استلزام ہے، نہ کہ جبر۔ جبر کیا ہے۔ کسی کو اس کے افعال طبیعی سے کسی خارجی قوت کا روکنا۔

استلزام نہیں ہے جبر و حریت (جبر تو غیب کی قوت ہے)  
(۱۳) وجود مطلق، خیر مطلق ہے۔ اور عدم محض، شر محض۔  
وجود اضافی کے ساتھ عدم اضافی لگا رہتا ہے۔ لہذا اس سے کچھ خیر کچھ شر ظاہر ہوتا ہے۔

شریت سبب عدم سے ہے ہمت میں سبب خیریت ہے  
فہم میں جو شر آتا ہے (حریت) مرجع اس کا اضافت ہے  
(۱۴) مرکبات کو جو اعتباری، مگر واقعی ہونے میں۔ مخلوقیت  
محمولیت یعنی پیدا ہونا عارض ہوتا ہے۔ نہ کہ بسا لبط کو۔  
(۱۵) مرکب کو اعتباری ہوتا ہے۔ مگر اس کی بھی ایک طبیعت  
و حقیقت ہوتی ہے اور اس کے لوازم و آثار ہوتے ہیں۔ جو اجزائے  
کے آثار کے سوا ہیں۔

خلق بسیط نہیں ہوتا غیر میں مخلوقیت ہے  
اجزاء کے احکام ہیں اور (حریت) کل کی اور علامت ہے  
(۱۶) علم معلوم کا تابع ہوتا ہے۔ یعنی جیسی چیز ہوتی ہے ویسا ہی  
خدا کے تعالیٰ جانتا ہے۔ یہ کہ چیز کچھ اور ہے اور جانتا کچھ اور طرح ہے۔  
(۱۷) انقلاب حقایق جائز نہیں۔ پس عدم وجود نہیں ہو سکتا  
نہ وجود عدم۔

نیت بھلا کیا ہوگا ہمت (حریت) باطل قلب حقیقت ہے  
(۱۸) وجود علمی کو ثبوت، اور وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ بعض دفعہ  
ثبوت و وجود علمی کو عدم بھی کہہ دیتے ہیں۔ لہذا اعیان ثابتہ جو معلومات حق ہیں۔  
غیر موجود فی الخارج اور معدوم ہیں۔  
(۱۹) عین ثابتہ کی استعداد کلی کے مطابق، عین خارجی کے استعدادات  
پیدا ہوتے ہیں۔

(۲۰) حق تعالیٰ سے ہر دم و ہر لحظہ امداد و جود ہے اور ممکن و مخلوق ہر لحظہ اس کی طرف محتاج ہے۔ حق تعالیٰ قیوم السموات والارض ہے۔  
(۲۱) ظہور است و تعلقات کے حدوث سے اصل شے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

(۲۲) شے کے دو تعین ہوتے ہیں۔ ایک تعین ذاتی، ذات کے لحاظ سے جو کبھی نہیں بدلتا۔ دوئم تعین صہفی، جو اوصاف کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ اس تعین کے بدلنے سے ذات کی جزئیت و تشخص پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔



ترجمہ

# قصص الحکم

جزو اول

(۱) فضل اُمیہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تمہید فصل دوم



شیخ اپنے ایک ایک مقالے کو فص سے تعبیر کرتے ہیں۔ فص کے معنی ہیں نگینے اور خلاصے کے۔ جس طرح نگینے پر عبارت کندہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک ایک نبی کے دل کو ایک ایک حکمت اور مسئلے اور تجلی اور انکشاف سے نسبت خاص رہتی ہے فص آدمیہ میں شیخ نے مسئلہ خلافت کو بیان کیا ہے۔ تمام عالم کو بمنزلہ جسد کے فرض کرتے ہیں۔ اور تجلی اعظم اور شان الوہیت کو بمنزلہ روح کے۔ شیخ تمام عالم کو انسان کبیرے تشبیہ دیتے ہیں۔ عالم میں جو کچھ ہے وہ مظاہر اسمائے الہیہ ہیں۔ انسان جب تک پیدا نہیں ہوا تھا، عالم تن بے جان تھا۔ اس میں حاکمانہ شان کا مظہر نہ تھا۔ انسان پیدا ہوا تو گویا عالم کے تن میں جان آگئی۔ اور وہ مکمل انسان ہو گیا۔ جس طرح انسان میں قویٰ ہیں۔ اور اُن کے محل ہیں۔ اسی طرح انسان کبیر یعنی عالم میں ملائکہ ہیں۔ انسان میں قوت علمی ہے اور اُس کا مرکز دماغ ہے۔ انسان کبیر یا عالم میں بھی قوت علمی ہے۔ اور اس کا مرکز جبریل الیہ انسان میں قوت حیات ہے۔ انسان کبیر میں بھی قوت حیات ہے۔ اور اس کا محل میکائیل میں انسان کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے۔ انسان کبیر کی موت کا مرجع عزرائیل میں۔ انسان میں خیال ہے۔ انسان کبیر کا خیال عالم مثال ہے۔ اور اس کا مرکز اسرافیل ہیں۔ بعض نادائق لوگ جو ہر سرسری کو غیر موجود سمجھتے تھے۔ قوتوں کے محل سے انکار کر بیٹھے اور ملائکہ کو صرف قوائے عالم ماننے لگے۔ اور پھر شیخ کے اقوال سے استدلال بھی کرنے لگے۔

ہر قوت خود کو دوسری قوتوں سے اعلیٰ و افضل سمجھتی ہے۔ مگر اُسے معلوم نہیں کہ دوسری قوتیں کیا کرتی ہیں اور اُن سب پر حاکم و مدبر کون ہے۔ حاکم کو اعلیٰ الٰہی سب سے نسبت درجہ رہتا ہے۔ جزا دینا بھی اُس کا کام ہے اور سزا دینا بھی اُسی کا کام ہے۔ جب تک با معیت نہ ہو حکومت محال ہے۔ لہٰذا بھی اپنے اپنے کمالات پر خوش ہیں مثل میں دیگرے نیست کا ترانہ گار ہے ہیں۔ جب حضرت انسان سے سابقہ پڑا علم کا علم سے مقابلہ ہوا۔ تو سب کو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے بنی۔ اور انسان کا کلمہ پڑھتے ہی بنی۔

شیخ کہتے ہیں ماسوا اللہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مستند الی اللہ نہ ہو۔ مادہ جس پر صورتیں آتی ہیں جس پر اسما و صفات کا پر تو پڑتا ہے۔ وہ ہے کیا۔ وہ اعیان ثابتہ ہیں۔ معذیات الٰہی کو جو علم الٰہی میں ہیں اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ اُن کی اصطلاح میں وجود علمی کو ثبوت۔ اور وجود خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ اعیان ثابتہ کے علم میں نمایاں ہونے کو فیض اقدس۔ اور موجود فی الخارج ہونے کو فیض مقدس کہتے ہیں فیض اقدس ہے چونکہ صرف ذوات و حقائق علم میں نمایاں ہوتے ہیں لہٰذا اس کو جعل بسیط کہتے ہیں اور فیض مقدس سے ذات اور وجود کا اقتران ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو جعل مرکب کہتے ہیں۔

جس طرح موجودات خارجی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اسی طرح معطومات یا اعیان ثابتہ بھی علم میں نمایاں ہونے میں ذات حق کے محتاج ہیں۔ صفت اپنے موصوف کی طرف ہمیشہ محتاج ہی ہوتی ہے۔ پس مادہ بھی جو عین ثابتہ ہے محتاج الی اللہ ہے۔ اسی طرح تجلیات الٰہی بھی ذات الٰہی کے محتاج ہیں۔ کیونکہ وہ اُس کے صفات ہیں۔ بعض لوگ مادے اور روح کو غیر مستند الی اللہ سمجھتے ہیں۔ اور تین بالذات اور مستقل وجود کے قائل ہیں۔ خدا۔ مادہ یا بیٹا۔ روح یا حیو یا روح القدس اور تالیف کے گور کہ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ شیخ کہتے ہیں اعیان ثابتہ و تجلیات سب اللہ کی طرف مستند اور اُسی کی ذات مقدسہ سے منتزع و مفہوم ہو گئے ہیں۔ موجود بالذات و صرف ذات حق ہے۔ معتقد مستقل ذوات سے وجود مستقل میں شرک لازم آتا ہے۔

صوفیہ کے محاورے میں اسم اللہ کبھی ذات حق کے لیے کہا جاتا ہے۔ چونکہ وجود اُس کا عین ذات ہے۔ لہٰذا اس کے مقابل صرف عدم ہے۔ ظاہر ہے کہ عدم تو موجود ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اللہ کا کوئی منظر نہیں۔ اور کبھی اسم اللہ کہتے ہیں صفات کمالہ کا

جامع اسم براہ لیتے ہیں۔ گویا یہ اجمال ہے تمام تفصیل اسما و صفات کا اُس کا منظر ہے۔ اُس کی مرآت اُس کا بندہ وہ ہے جس کی بالکل نمائش نہ ہو اور تمام اسما و صفات اسیہ اُس سے نمایاں و تاباں ہوں۔ ہر عین ثابتہ پر تجلی خاص ہوتی ہے۔ اور وہ اُن کے محاورے میں اُس کا بکھلاتی ہے۔ اور عین ثابتہ اُس کا منظر و بندہ بکھلاتا ہے تجلی الوہیت ربہ ۱۱ باب اور جامع جمیع صفات ہے۔ تو اُس کا بندہ ۱۲۔ اُس کا منظر بھی عین الایمان اور عین تمہدی ہے۔ تمام اوصاف و تجلیات الوہیت کے تفصیل ہیں۔ تو تمام ایمان بھی عین الایمان کے تفصیل ہیں۔

شیخ کہتے ہیں ممکن میں بندے میں خواہ وہ کتنا ہی عظیم الشان ہو۔ عالی مرتبہ ہو۔ صاحب کمالات ہو۔ منظر اسما و صفات ہو۔ اللہ تعالیٰ کی دو صفاتیں نہیں پائی جاتیں۔ ایک۔ وجوب ذاتی۔ موجود بالذات ہونا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ دوم استغنائے ذاتی۔ کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ ممکن بندہ اللہ تعالیٰ سے موجود ہوتا ہے۔ اس کا وجود بالعرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود بالذات ہے۔ بالعرض ہمیشہ بالذات کا محتاج رہے گا۔ ممکن حالت وجود میں بھی موجود بالعرض ہی رہے گا۔ اس کا امکان ذاتی اس کی بندگی کبھی اس سے دور نہ ہوگی۔ ورنہ انقلاب مہیات و محتالوں لازم آئے گا۔ یاد رکھو تین مفہوم ہیں۔ واجب بالذات ممکن بالذات۔ ممکن بالذات۔ وجوب کا وجود ضروری ہے۔ ممکن کا وجود محال ممکن بندہ ہر معدوم ہے۔ وہ وجود واجب تعالیٰ سے موجود ہوتا ہے۔ لہذا واجب بالذات نہ ممکن بالذات ہو سکتا ہے نہ ممکن۔ نہ ممکن واجب ہو سکتا ہے نہ ممکن۔ واجب واجب ہو سکتا ہے نہ ممکن ورنہ انقلاب محتالوں لازم آئے گا۔ بہر حال ممکن اور بندے سے وجوب ذاتی و استغنائے ذاتی کبھی نمایاں نہ ہوں گے۔ بندہ ہمیشہ سدا فکندہ۔۔۔

### العبد وما ملکت یمنہ لامولانا

شیخ فرماتے ہیں۔ کمالات وجہ و واجب تعالیٰ کی وجہ سے نمایاں ہوتے ہیں۔ نقائص عدم اور امریکان ذاتی کا تقاضا ہیں۔ تو بندے کو چاہیے محبوب و نقائص میں

۱۵۔ یہ اہل تصرف کے محاورے ہیں اس سے واقف رہنا ضروری ہے۔

خود کو اللہ کی سپر بنائے اور ذات حق تک نقائص کو پہنچے نہ دے اور کمال اللہ و محامد میں  
ذات حق کو اپنی سپر بنائے۔ یعنی کمالات کو اس کی طرف منسوب کرے۔ **ما لہد لہد الکلم**  
**الطیب الحمد للہ رب العالمین**۔ **ما احصا بک من حسنۃ فمن اللہ و ما احصا بک من**  
**عسیۃ فمن نفسک**۔ مجھ کو مری بندگی میں رگت ہے تجھ کو تری شان کبریائی۔  
اس فصیح سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر غور کریں۔ اور حق تعالیٰ  
کی طرف راہ نکالیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **و لا تھکونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم**  
**انفسہم ہم یعنی اے لوگو! نہ ہو جاؤ مانند ان لوگوں کے جو خدا کو بھول گئے۔ تو خدا نے**  
**ان سے خود ان کے نفسوں کو بھل دیا۔** یعنی معرفت نفس سے محروم ہو گئے۔ مشہور  
قول ہے **من عرف نفسه فقد عرف ربه** یعنی خود شناسی میں خدا شناسی ہے۔  
جس نے خود کو جتنا جانا اتنا ہی اپنے رب کو جانا۔ ذرا غور کرو اگر وجود ہمارا ذاتی  
ہوتا تو ہمیشہ ہم کو لازم رہتا۔ کیونکہ ذات سے ذاتیات جسد او منفک نہیں ہو سکتے۔  
حالانکہ ہم بین العدم ہیں۔ یعنی دو عدم کے درمیان ہیں پہلے بھی معدوم تھے  
اور پھر روز کے بعد پھر معدوم ہوں گے۔ جب وجود ہمارے لیے ذاتی نہیں ہے  
بلکہ بالعرض ہے تو کوئی بالذات موجود ہونا چاہیے۔ ورنہ تحقق اور وجود بالعرض کا  
بغیر بالذات کے لازم آئے گا۔ وہ موجود بالذات الہی ہے۔ مادے اور جسد  
کی شان سے علم نہیں ہے۔ ارادہ نہیں ہے۔ آجکل مادے کی صفت بتلائی جا رہی ہے۔  
استمرار یعنی مادہ متحرک ہے تو ہمیشہ متحرک رہے گا جب تک کوئی اس کو ساکن  
نہ کرے۔ ساکن ہے تو ہمیشہ ساکن رہے گا جب تک کہ کوئی اس کو متحرک نہ کرے۔  
جب مادے کی یہ حالت ہو تو بالا ارادہ حرکت کہاں سے آئی۔ ضرور مجرّد عن المادہ  
سے۔ غیر مادی سے۔ جب ہم غیر مادی ہیں تو خدا سے تعالیٰ بھی غیر مادی ہوگا۔ رات دن  
سانس سے۔ پسینے وغیرہ سے کاربانک ایسڈ گیس سے قدیم اور ناکارہ مادہ نکل جاتا ہے  
اور غذا وغیرہ سے نیا مادہ ملتا جاتا ہے۔ مگر میری انانیت وہی ہے۔ میری معلومات  
علوم وہی ہیں۔ فنائے مادہ سے وہ فنا نہیں ہوتے۔ لہذا میں مادی نہیں ہوں تو میرا  
رب کیونکر مادی ہوگا۔ جب مادی نہ ہوگا تو صفات مادہ سے منزہ و پاک ہوگا۔  
ہمارے جسد کی طرف ایک روح مدبر ہے۔ تو تمام عالم کی بھی صرف ایک

ذات واجبہ مدبر ہے۔ بہر حال ہمارے عجز سے اُس کی قدرت کا ہمارے جہل سے اُس کے علم کا۔ ہمارے مردگی و موت سے اُس کی حیات کا۔ ہمارے عدم سے اُس کے وجود کا پتا ملتا ہے۔

امام ابو حامد غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر معرفت نفس کے بھی وجود باری پر استدلال کر سکتے ہیں۔ اور آپ نے وہ دلائل بیان فرمائے جو اثبات واجب میں پیش کیے جاتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ان دلائل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذات حقہ ہے۔ ایک واجب الوجود ہے۔ مگر اُس کے اسماء و صفات اور تفصیلات کا پتا اُس وقت تک نہیں ملتا جب تک خود پر غور نہ کرے۔ **و فی انفسکم افلا تبصرون**۔



# ترجمہ فصیح آدمیہ

— (تین تین) —

خدا کے اسمائے حسنی بے حد و بے حساب ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اعیانِ اسما اور حقائق اور صورِ علمیہ کو ملاحظہ فرمائے۔ یا یوں کہو کہ وہ اپنے آپ کو ملاحظہ فرمائے۔ مگر کس طرح۔ ایک موجود خارجی میں جو جامع ہوا سرار کا اور ظہر تام ہو اسمائے الہیہ کا۔ ایسا ملاحظہ کیوں؟ اس لیے کہ کسی کا اپنے آپ کو خود ہی دیکھنا ایسا نہیں جیسا کہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا۔ یہ ملاحظہ آئینے کے حسبِ نیثیت ہوگا۔ جو سامنے پیش نظر ہو۔ یہ ملاحظہ ہرگز نہ ہوتا۔ جب تک آئینے پر وہ اپنی تجلی نہ ڈالتا اور آئینے سے اس کا انعکاس نہ ظہور نہ ہوتا ہے

بقدرِ وسعِ آئینہ ہوا آئینہ گر ظاہر (حسرت) بنا کر آئینہ خانہ وہی محتوِ شاہ ہے  
خدائے تعالیٰ نے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے تمام عالم کو پیدا کیا تھا۔ مگر یہ عالم کیسا تھا۔ ہر طرح ٹھیک تھا۔ لیکن تن بے جان تھا۔ آئینہ بے آب تھا۔ جلا شدہ نہ تھا۔

یاد رکھو کہ یہ عادت الہی ہے۔ یہی حکم الہی کی شان ہے کہ وہ جب کسی محل کو مستوی اور درست کر لیتا ہے اور اس میں تجلی قبول کرنے کی قابلیت آجاتی ہے۔ تو اس پر تجلی فرماتا ہے۔ اس محل میں تجلی عین ہی کو نفع و روح کہتے ہیں۔ پھر نفع کے بعد کیا ہوتا ہے وہ مسویٰ اور درست کیا ہوا محل اپنی استعداد میں ترقی کرتا ہے تاکہ تازہ بہ تازہ  
یہ تسویر خود قرآنِ فریب میں ہے اس کے بجائے کہ لے رست کا لفظ زیادہ کیا گیا ہے۔

جزو اول

تجلی لم یزل ولا یزال کو قبول کرتا ہے۔ اللہ قدیم ہے۔ اس کی تجلیات اسما و صفات سب قدیم ہیں۔ اور مستند الی اللہ ہیں۔ تسویہ یعنی درست کرنا۔ ٹھیک بنانا بھی اللہ کا فعل ہے۔ اور اللہ کی طرف مستند ہے۔ پھر غیر مستند الی اللہ ہے کون؟ کیا وہ جو قابل ہے یعنی جو تجلیات النبیہ کو قبول کرتا ہے؟ نہیں، کوئی غیر مستند الی اللہ نہیں قابل تو عین ثابتہ معلوم الہی و صورت علمیہ حق جل جلالہ ہے۔ پس یہ یعنی فیض اقدس سے ثابت و نمایاں فی علم اللہ ہے۔ غرض کہ عالم میں جو کچھ ہے۔ اُس کی ابتدا بھی حق تعالیٰ سے ہے۔ اور اُس کی انتہا بھی حق تعالیٰ پر ہے جس طرح وہ سب کا مرجع ہے۔ اسی طرح وہ سب کا مبدا بھی ہے۔

جب یہ عالم بغیر آدم کے وجود کے آئینہ بے جلا تھا۔ تو امر الہی کا اقتضا ہوا کہ آئینہ عالم کو جلادی جائے۔ آدم ہی آئینہ عالم کی جلا تھا اور جسم عالم کے لیے مثل جان تھا۔ آدم سے پہلے ملائکہ بھی تو تھے۔ کیا وہ جان عالم یعنی مدبر عالم نہ تھے۔ نہیں۔ جان تن کے تمام قویٰ پر حاکم ہوتی ہے۔ جسم عالم کو قوم یعنی عرفا کی اصطلاح میں انسان کبیر اور جسم انسان کو انسان صغیر۔ یا عالم کو عالم کبیر اور انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں۔ ملائکہ انسان کبیر یعنی عالم کے لیے مراکز قویٰ ہیں یعنی قوتوں کے محل ہیں جیسے جسم انسان میں قوائے روحانیہ و حسیہ کے مرکز و محل۔ ہر ایک قوت کا مرکز اپنے سوا دوسری قوت کے مرکز سے ناواقف ہے۔ اور اپنے آپ کو سب سے افضل و اعلیٰ جانتا۔ اور ہر ایک کو منصب عالی و منزل رفیع کا اہل و مستحق سمجھتا ہے۔ اسی طرح انسان کبیر کی قوتوں کے مرکز و محل یعنی ملائکہ عالم ایک دوسرے کے کمالات سے اور جامع کل یعنی حضرت انسان کے کمالات سے بے خبر ہیں۔ اور اپنی افضلیت کے مدعی ہیں۔

اب ذرا فطرت انسانی پر غور کرو۔ اس میں کیا کیا ودیعت ہے۔ وہ منظر تام ہے۔ شان الوہیت کا۔ وہ جامع ہے صفات کمالیہ کا۔ جس کو واحدیت کہتے ہیں۔ اس میں حقیقۃً المحقائق یعنی مرتبہ احدیت کی بے رنگی و تنزیہ بھی ہے۔ اس میں خلقت عنصری و مادی کے لوازم بھی داخل ہیں۔ جو اوصاف و کمالات انسانی کے حامل ہیں یہاں تک کہ اس میں طبیعت انسان کبیر یعنی عالم کے اقتضا کے مطابق بن جانا بھی شامل ہے۔ اس میں طبیعت عالم کی تمام قابلیتوں کو حامی ہونے کی صلاحیت بھی ہے عام اس سے کہ

یہ قابلیتیں اعلیٰ ہوں یا اسفل۔ اور اس مسئلے کو یعنی انسان کامل کے منظر تمام،  
تجلی کا، و تجلی نہ کامل ہونے کو کسی کی عقل۔ نظر و فکر نہیں جان سکتی۔ بلکہ اس قسم کا  
اور اک صرف کشف الہی سے ہوتا ہے۔ کشف الہی سے معلوم ہوتا ہے کہ صور عالم جو  
قبول کنندہ ارواح عالم ہیں۔ اُن کی اصل کیا ہے۔

اس خلقت جامع و منظر تمام کو انسان و خلیفہ کا نام دیا گیا۔ انسان کا نام اس لیے  
دیا گیا کہ انسان، مرد مک چشم اور آنکھ کی بتلی کو کہتے ہیں۔ چونکہ انسان کی نشأت و خلقت  
تمام تفصیلات کو عام و شامل ہے۔ اور تمام حقائق عالم کو حاوی ہے اور وہ حق تعالیٰ  
کے لیے بلا تشبیہ ایسا ہے جیسے آنکھ کی بتلی۔ بتلی ہی سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اسی کو محل بصیر  
کہتے ہیں۔ اسی لیے اس خلقت جامع کا نام انسان رکھا گیا۔ گویا کہ انسان ہی کے توسط سے  
حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اور اُس پر رحم فرماتا ہے۔ اور اُس کو وجود عطا  
کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہی ہے۔

مقصد خلق جہاں مرآت اسما و صفات  
آفرین آفرینش، زیب اور رنگ شہی (حسرت) نور چشم صاحب خانہ چراغ خانہ ہم  
پس حقیقت کلیہ انسانہ باعتبار خارج اور افراد کے حادث ہے۔ اور باعتبار علم الہی  
کے ازلی وابدی و دائمی ہے۔ اور ایک ایسا کلمہ ہے جو فاصل و جامع یعنی تفصیلی بھی ہے،  
اور اجمالی بھی۔

انسان کے وجود سے عالم تمام و مکمل ہوا۔ عالم میں انسان ایسا ہے جیسے انگشتی  
میں نیگینہ۔ یہ معلوم ہے کہ نیگینہ پر نقش و علامت شاہی کندہ ہوتی ہے۔ اسی نقش و علامت  
سے بادشاہ اپنے خزانوں پر مہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان خلیفہ کہلاتا ہے۔ خیال  
رکھو کہ آدم سے اور انسان سے مراد انسان کلی۔ تجلی اعظم شان الوہیت ہے جس کے  
منظر انسان جزئی ہیں۔ انسان ہائے جزئی میں بھی بعض منظر ناقص ہیں، ہر زمانے میں  
صرف ایک ہی منظر تمام ہوتا ہے جس کو غوث یا قطب زمان کہتے ہیں۔ انسان سے  
خدا نے تعالیٰ عالم اور خلق کی حفاظت کرتا ہے جس طرح کہ مہر شاہی سے خزان شاہی کی  
حفاظت کی جاتی ہے۔ جب تک خزان پر مہر شاہی رہتی ہے۔ کسی کو برأت نہیں ہوتی کہ  
اُن کو بے اذن و اجازت شاہی کھول سکے۔ پس حق تعالیٰ نے انسان کو حفظ عالم میں اپنا

خلیفہ بنایا جب تک انسان کامل جو مرکز نظر الہی ہے۔ عالم میں موجود ہے۔ عالم بربادی جوہ اقل  
تباہی سے محفوظ اور قائم ہے۔ تم ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو کہ ٹھہر ٹوٹ جاتی ہے تو خزانے  
میں جو کچھ رہتا ہے نکل جاتا ہے۔ اور دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب  
مُرشاہی (یعنی انسان کامل جو خزانہ دنیا پر بطور مہر کے ہے) زائل اور دودھ ہو جائے گی تو  
اس میں جو کچھ رکھا گیا تھا کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ بعض امور جو ادھر ادھر تھے وہ سب  
آپس میں مل جائیں گے اور تجلیات الہی جو دنیا پر ہوتے تھے وہ سب آخرت میں  
منتقل ہو جائیں گے۔ اور انسان کامل منتقل ہو کر خزانہ آخرت پر ابدی ختم اور مہر  
ہو جائے گا۔

چونکہ صور علیہ میں اسمائے الہیہ میں جو کچھ ہے اس نشأت انسانیہ میں ظاہر ہے۔  
اس لیے انسان نے اپنے وجود خارجی کے سبب سے رتبہ احاطہ و جمع حاصل کر لیا ہے  
یعنی انسان اسمائے حق تعالیٰ کا منظر تمام و جامع ہے۔ انسان کی اس جامعیت ہی کی وجہ  
سے اللہ تعالیٰ کی حجت ملائکہ پر قائم ہوئی۔

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے غیر کا قصہ بیان کر کے تم کو  
پند و نصیحت کی ہے کہ اپنی استعداد سے زیادہ کا ادا نہ کرو اور اپنے آپ کو دوسروں سے  
افضل نہ سمجھو۔ اے طالب غور کرو کہ یہ بلا کہاں سے آئی۔ اور کس پر آئی۔ ملائکہ کو کیا خبر تھی کہ  
اس خلیفہ کی خلقت میں کیا کیا ودیعت ہے۔ فرشتوں کو کیا معلوم کہ حق تعالیٰ کی عبادت ذاتی  
کس طرح کی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص حق تعالیٰ کی وہی عبادت کرتا ہے جو اس کی ذات کا  
تقاضا ہے۔ ملائکہ کو حقیقت آدمیہ کی جامعیت یعنی تجلی اسمِ عظیم کہاں نصیب جو تمام  
اسما کو جامع ہے۔ ملائکہ قائم و قانع نہیں رہے۔ ان اسما کے ساتھ بھی جو ان ملائکہ سے  
خاص تھے۔ اور وہ ان اسما کے واسطہ و علم سے حضرت حق کی تسبیح و تقدیس  
کرتے تھے۔

ملائکہ کیا جانتے تھے کہ حق تعالیٰ کے ایسے اسما بھی ہیں جن کا علم ان تک  
پہنچا نہیں۔ اور نہ ملائکہ نے ان کے توسط و معرفت سے حضرت حق کی تسبیح و تقدیس  
کی ہے۔ ان ناواقفیتوں کا نتیجہ ہے کہ انسان پر ملائکہ نے اعتراض کیا۔ اور اپنی  
فضیلت کا ادا کیا۔ ان کے اس حال نے ان پر اپنا حکم چلا دیا اور وہ انسان کی

جزو اول

خلقت عنصری کو دیکھ کر کہہ اُٹھے۔ اتجعل فیہا من یفسد فیہا کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد کرے گا۔

کیا ایک میری حقیقت کو سمجھتے علوی ان کا اُستاد نہ سمجھا وہ مہمابوں میں بیشک یہ بھی نزاع ہے۔ اور آدم کے حق میں ان ملائکہ نے جو کچھ کہا تھا وہی تو ہے جو حق تعالیٰ کے ساتھ کر رہے ہیں (یعنی نزاع)۔ اگر ان ملائکہ کی فطرت و نشأت سے یہ بات نہ پیدا ہوتی تو آدم کے حق میں جو کچھ کہا تھا نہ کہتے۔ مگر کیا کرتے ان کو شعور نہ تھا۔ اگر ان کو اپنی حقیقت کی معرفت ہوتی۔ تو جانتے۔ اور جانتے تو نزاع سے محفوظ رہتے۔ پھر انھوں نے آدم پر جرح کرنے میں پس نہیں کیا یہاں تک کہ اپنی تقدیس و تسبیح کی فضیلت کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ آدم ایسے اسما سے بھی واقف تھے جن کا ملائکہ کو علم تک نہ تھا۔ نہ ملائکہ نے ان اسما کے توسط سے تسبیح کی نہ تقدیس جس طرح کہ آدم نے کی تھی۔

خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کا قصہ ہمارے سامنے اس لیے بیان فرمایا کہ ہم ساحتِ قُرب سے دور نہ ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ کا ادب کرنا سیکھیں جن اسمائے الہیہ کا علم و تحقق بھی ہو تو ان کے احاطہ و تقید کا ادعا نہ کریں۔ پھر ایسے امور کے متعلق دعاوی کس طرح درست ہو سکتے ہیں جن کا علم و تحقق ہم کو کبھی ہوا ہی نہیں۔ اس کا اخبام رسوائی اور فحیشت ہے۔ فرض کہ حق تعالیٰ معرفت اور ادب کی تعلیم اپنے باادب و باامانت خلفاء کو دے رہا ہے۔ اب ہم پھر حکمتِ الہیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ امورِ کلیہ موجود خارجی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ معقول و معلوم ہیں۔ اور ذہن و علم میں موجود ہیں۔ اور ہمیشہ باطن ہی میں رہیں گے کبھی وجودِ ذہنی سے نکل کر وجودِ خارجی نہ پائیں گے مگر اس کے باوجود ان کا تمام موجوداتِ خارجیہ پر حکم و اثر ہے۔ بلکہ امورِ کلیہ عین موجوداتِ خارجیہ ہیں اور انھی سے نترع و مفہوم و موجود میں میری ہر موجوداتِ خارجہ سے ذوات و اعیانِ خارجیہ ہیں۔ گو کہ وہ امورِ کلیہ فی نفسہا معقول اور موجود فی الذہن ہونے سے جدا نہیں رہے۔ یہ امورِ کلیہ اپنے منشا اور نترعِ عنہ کے لحاظ سے ظاہر ہیں۔ اور موجوداتِ خارجیہ معقولیت اور موجود فی الذہن اور معلوم ہونے کے لحاظ سے باطن ہیں پس امرِ کلی و موجود خارجی میں باہم استناد و نسبت ہے۔ امرِ کلی، موجود خارجی کا

جوڑ توں

وجود و ترتیب اثر میں محتاج ہے۔ اور موجود خارجی امر کلی کا عقل و فہم میں نتائج ہے۔ امر کلی سے ارتباط اور اس سے نسبت پیدا کرنے سے موجود خارجی پر گونا گوں آثار پیدا ہوتے ہیں۔ اور امر کلی موجود فی الخارج معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا موجود فی الخارج ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس نے وجود ذہنی سے عقل ہو کر وجود خارجی لیا ہو۔ یہ حکم عام ہے خواہ موجود خارجی موقت و زمانی ہو یا غیر موقت و غیر زمانی یعنی ممکن ہو یا واجب۔ مخلوق ہو یا غیر مخلوق۔ غرض کہ امر کلی کو سب سے ایک ہی نسبت ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مجردات کو جو حقیقت میں جزئی سی ہوں۔ ان کے مظاہر کے لحاظ سے کلی کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ موجودات خارجہ کی نسبتاً عالم کے اقتضا کے مطابق اس امر کلی کو نسبتیں لاحق ہوتی ہیں۔ جیسے علم کی نسبت عالم کی طرف اور حیات کی نسبت حی کی طرف یہ معلوم ہے کہ حیات ایک عقلی حقیقت ہے اور علم بھی ایک معقول حقیقت ہے۔ اور حقیقت علم حقیقت حیات سے ممتاز اور جدا ہے جس طرح کہ حقیقت حیات حقیقت علم سے ممتاز ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لیے علم و حیات ثابت ہیں۔ لہذا وہ عالم بھی ہے اور حی بھی۔ فرشتے کے لیے بھی کہتے ہیں کہ اس کے لیے علم و حیات ثابت ہے اور وہ عالم وحی ہے اسی طرح انسان کے لیے علم و حیات ثابت ہے اور وہ عالم وحی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ علم ایک حقیقت ہے۔ اور حیات بھی ایک حقیقت ہے۔ اور علم و حیات کو عالم وحی سے ایک ہی نسبت ہے۔ اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ علم حق قدیم ہے۔ اور علم انسان حادث ہے۔ ذرا نظر کرو کہ اس اضافت و نسبت نے اس حقیقت معلوم پر کیا کیا احکام لگا دیے اور معقولات و موجودات خارجیہ کے ارتباط پر بھی غور و نظر کرو کہ علم نے اپنے موصوف پر عالم ہونے کا حکم لگا دیا۔ تو موصوف نے یہی علم پر حکم لگا دیا کہ وہ حادث میں حادث ہے اور قدیم میں قدیم۔ پس امر کلی و موجود خارجی دونوں ایک دوسرے پر محکوم بھی ہیں اور محکوم علیہ بھی۔ یہ بات معلوم ہے کہ امور کلیہ اگرچہ معقول ہیں۔ مگر خارج میں معدوم ہیں۔ اور موجود خارجی پر حکم لگانے میں موجود میں اور جب موجود خارجی کی طرف امور کلیہ کی نسبت کی جاتی ہے تو

ان امور کلیہ پر بھی اعیان موجودہ یعنی موجودات خارجیہ سے احکام لگ جاتے ہیں مگر امور کلیہ نے تفصیل کو قبول کیا نہ تجزی و تقسیم کو۔ یہ باتیں امور کلیہ پر محال ہیں کیونکہ وہ بذاتہ موصوف میں موجود ہیں یہ نہیں کہ ان کا کچھ حصہ کسی موصوف میں موجود نہیں۔ جیسے انسانیت کہ اپنی نوع خاص کے تمام افراد میں موجود ہے۔ انفصال و تعدد اشخاص سے انسانیت میں نہ انفصال پیدا ہوا نہ تعدد بلکہ معقول کی معقول ہی رہی۔ جب موجود خارجی و غیر خارجی یعنی امور کلیہ میں ارتباط پایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ عدمی ہیں۔ بالذات خارج میں موجود نہیں۔ تو بعض موجودات خارجیہ کا ارتباط بعض سے تو زیادہ قابل قبول و تسلیم ہے۔ کیونکہ موجودات خارجیہ میں ایک جامع تو ہے یعنی وجود خارجی۔ اور امر کلی عقلی و موجود خارجی میں کوئی شے مشترک نہیں۔ بغیر جامع کے ارتباط پایا جاسکتا ہے تو وجود جامع کی صورت میں ارتباط کا ہونا اقویٰ و احق ہے۔ یہ بات بے شک و شبہ ثابت ہے کہ محدثے یا حادث کا حدوث اور اس کا افتقار و احتیاج موجد و محدث کی طرف ثابت ہے۔ کیونکہ حادث کی ذات میں امکان ہوتا ہے۔ اور امکان ہی باعث احتیاج ہوتا ہے تو حادث ممکن اپنے غیر یعنی موجد سے مرتبط اور اس کی طرف مستند ہوگا۔ یہ ارتباط بھی افتقار و احتیاج دائمی کے طور پر ہے وہ غیر یعنی موجب جس کی طرف ممکن کو احتیاج ہے کیسا ہوگا۔ بالذات واجب الوجود ہوگا۔ اپنے وجود ذاتی میں غنی ہوگا کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ کیونکہ موجد ہی نے بذاتہ اس حادث کو وجود بخشا ہے۔ تو حادث و ممکن جب واجب الوجود کی طرف مستتب ہوگا تو وہ بھی واجب الوجود ہوگا مگر بالغیر۔ یاد رکھو کہ ہمیشہ موثر و اثر میں مناسبت و مشابہت ہوتی ہے دیکھو تلوار اور اس کے زخم میں۔ باپ اور بیٹے میں مشابہت ہوتی ہے۔ الولد سرلابیدہ۔ وکل انا ویترا شحم بعافیہ چونکہ ممکن کا استناد ذات واجب کی طرف ہے۔ جس سے وہ ظاہر ہوا ہے تو ممکن ذات واجب ہی کی صورت پر ہوگا۔ اور جو اسماء و صفات واجب الوجود میں ہیں۔ ممکن الوجود بھی حمل گئے البتہ وجوب ذاتی ممکن بالذات میں نہ ہوگا۔ ورنہ انقلاب مہیت لازم آئے گا۔ جو محال اور کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ممکن بعد اخذ وجود واجب الوجود ہو جاتا ہے مگر اس کا وجوب لغیرہ ہے بنفسہ نہیں ہے۔

جزء اول

جب واقعہ یہ ٹھیکرا کہ اثر موثر کے مناسب ہوتا ہے اور حادثہ واجب کی صورت پر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق علم حاصل کرنے کے لیے حادثہ میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا سُبْحٰنَہٗمُ اَیُّتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِی الْاَنْفُسِہِمُ حَتّٰی یَتَّبِعْنَ لَہِمُ اللّٰہُ الْحَقَّ اَوْ فَرَمٰی اَوْ فِی الْاَنْفُسِہِمُ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ۔ اور ذکر فرمایا کہ اُس نے ہم کو حادثہ میں اپنی آیات و نشانیاں دکھلائی ہیں ہم نے اپنی معرفت ذات سے معرفت حق پر استدلال کیا۔ پس وہی صفت حق تعالیٰ کے لیے ثابت کی جو ہم میں تھی۔ بجز وجوب ذاتی و وجود ذاتی کے جو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جب ہم نے حق کو اپنے ذریعے اور اپنے سے پیدا ہونے والے دلائل سے جان لیا تو جن چیزوں کو ہم اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اُن کی ذات حق کی طرف بھی نسبت کی۔ اسی طرح مترجمین الہی یعنی انبیاء کی زبانوں سے اخبارات الہیہ وارد ہوئے ہیں پس حق تعالیٰ نے ہماری تفہیم کے لیے اپنے آپ کو ہماری صفات سے بیان فرمایا۔ ید اللہ فوق ایدیہم اینما تولوا فثرو وجہ اللہ۔ ان اللہ خلق آدم علی صورۃ۔ موصوف فلعلہ لدنی وغیرہا پس جب ہم نے حق کو دیکھا تو ہمیں کو دیکھا۔ اور اُس نے جب اپنے آپ کو دیکھا تو ہم کو دیکھا۔

اس میں شک نہیں کہ اہل عالم انواع و اشخاص کے اعتبار سے کثیر ہیں۔ گو کہ ایک حقیقت اُن کو جمع کرتی ہے۔ اور ہم یہ بھی قطعاً جانتے ہیں کہ کوئی امر فارق اور مابہ الامتیاز بھی ہے جس سے بعض اشخاص بعض سے ممیز ہوتے ہیں۔ اگر یہ مابہ الامتیاز نہ ہوتا تو وحدت میں کثرت ہی نہ ہوتی۔ پس یہی حال افراد انسان کا بھی ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے ہم کو ان تمام اوصاف کے ساتھ بیان فرمایا جن سے اُس نے خود اپنے کو بیان کیا۔ مگر یہاں بھی ایک امتیاز باقی ہے۔ اور وہ ہمارا حق تعالیٰ کی طرف وجود میں محتاج ہونا ہے اور ہمارے وجود کا حق تعالیٰ پر موقوف رہنا ہے۔ کیونکہ ہم ممکن ہیں اور وہ اپنے وجود میں ہمارا محتاج نہیں۔ اسی بے نیازی کی وجہ سے حق تعالیٰ کے لیے ازل اور قدم ثابت ہیں۔ اور وہ اولیت مفتی ہے جو عدم کے بعد ابتداء کے وجود کے معنی میں ہے۔ اسی بے نیازی قدم کی وجہ سے حق تعالیٰ کو آخر بھی کہتے ہیں۔ اگر حق تعالیٰ کی اولیت ایسی ہوتی جیسے مقدمات یعنی ممکنات کی اولیت

جذو اول

ہوتی ہے تو حق تعالیٰ آخر نہ ہو سکتا۔ ممکنات کے لحاظ سے ہی ہی۔ کیونکہ ممکن کا آخر نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکنات غیر متناہی ہیں تو ان کا آخر کس طرح ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کو آخر اس لیے کہتے ہیں کہ ہر کام ہر چیز جو ہماری طرف منسوب ہے اُس کا مرجع حق تعالیٰ ہے پس وہ آخر ہے عین اولیت میں اور اول ہے عین آخریت میں۔

تو اول و لے نے بدایت ترا      تو آخر و لے نے نہایت ترا

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی توصیف کی ہے کہ وہ ظاہر و باطن ہے لہذا اُس نے عالم کو بھی عالم غیب و علم شہادت بنایا۔ تاکہ ہم باطن حق کو اپنے غیب سے اور ظاہر حق کو اپنی شہادت سے ادراک کریں۔ حق تعالیٰ نے اپنے نفس کی توصیف کی غضب و رضا سے۔ لہذا عالم کو صاحب خوف ورجا پیدا کیا۔ کہ ہم غضب خداوندی سے ڈریں۔ اور برے کام نہ کریں۔ اور رضا سے امید رکھیں اور نیک کام کریں۔ خدا کے تعالیٰ نے اپنے نفس کی توصیف کی کہ وہ صاحب جمال و جلال ہے لہذا اُس نے ہم کو ہیبت و انس پر پیدا کیا۔ اسی طرح اُن تمام اوصاف کا حال ہے جو حق تعالیٰ کی طرف منسوب اور حق تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ انسان کامل جامع حق الیقین و مفردات عظم ہے اس کی تخلیق میں حق تعالیٰ کی صفت جمال و جلال دونوں نے توجہ کی انہی صفات جمال و جلال کی حق تعالیٰ نے دو باتوں سے تعبیر کی جن سے آدم بنایا گیا۔ پس یہی وجہ ہے کہ عالم ظاہر ہے۔ اور خلیفہ غیب و باطن ہے۔ اسی لیے سلطان پر دلوں میں چھپا ہوا رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی توصیف کی کہ وہ حجاب مانے نور و ظلمت میں پوشیدہ ہے۔ حجاب مانے ظلمانیہ کیا ہیں۔ اجسام طبعیہ اور حجاب مانے نور کیا ہیں۔ ارواح لطیفہ و تجلیات اسمائہ۔ اسی طرح عالم کشف بھی ہے اور لطیف بھی۔ خود عالم ذات حق پر ایک حجاب ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کو ایسا ادراک نہیں کر سکتا جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو ادراک کرتا ہے۔ پس عالم ہمیشہ ایسے حجاب میں رہے گا جو کبھی نہ اُٹھے گا۔ کیونکہ وہ اپنی احتیاج ذاتی و اختصار کی وجہ سے اپنے موجد کو اپنا غیر جانتا ہے۔

طلب محبوب کی لازم اور اُس کو دردمجوری (حسرت) خیال فرقت محبوب ہی پھر وجہ فرقت ہے اور وجوب ذاتی جو حق تعالیٰ کا خاصہ ہے اُس میں ممکن کہ کوئی حصہ نہیں ملا۔ لہذا

حق تعالیٰ وراہ الوراثم وراہ الوراہ ہے اور رہے گا۔ اور ممکن کبھی تنزیہ ذات حق کو  
 اور اک نہ کر سکے گا۔ پس ممکن کو دائماً ابد حق جل جلالہ بحیثیت تنزیہ معلوم بعلم ذوق و  
 شہود نہ ہوگا۔ کیونکہ میدان تنزیہ میں حادث ممکن۔ خلق کی رسائی نہیں۔ غرض کہ  
 حق تعالیٰ نے آدم کی تخلیق میں اپنے دونوں ہاتھ یعنی جلال و جمال کو لگا کر امتیاز و  
 شرف عطا فرمایا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ابلیس سے کہا۔ ما منعک ان تسجد  
 لما خلقت بیدی۔ تجھے کس چیز نے روکا، کہ اُس کو سجدہ کرے جس کو میں نے  
 اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ آدم کا صورت عالم و  
 صورت حق کو جامع ہونا ہے۔ یہی تو ہیں دونوں ہاتھ حق تعالیٰ کے۔ ابلیس عالم کا  
 ایک جزو ہے۔ اس کو ایسی جامعیت کہاں۔ اسی جامعیت کی وجہ سے  
 آدم خلیفہ ہوا۔ اگر کوئی شخص جس بات میں خلیفہ ہوا ہے۔ اپنے متخلف اور  
 خلیفہ بنانے والے کی صورت میں ظاہر نہ ہو تو وہ خلیفہ ہی کیا ہوا۔ اگر خلیفہ  
 کے پاس وہ تمام چیزیں نہ ہوں جس کی رعایا کو ضرورت ہے تو وہ خلیفہ ہی  
 کیا ہوا۔ خلیفہ کی طرف تمام رعایا رجوع کرتی ہے، تو اُن کی ضرورتوں کا پورا  
 کرنا بھی خلیفہ کا کام ہے۔ جامعیت ہی کی وجہ سے صرف انسان کامل کے لیے  
 خلافت صحیح ہوئی۔ اُسی حکمت سے حق تعالیٰ نے ظاہری صورت عالم کو  
 حقائق عالم کے اور اُس کی باطنی صورت کو اپنی صورت کے مطابق بنایا۔  
 اس لیے انسان کامل کے حق میں فرمایا کنت سمعاً و بصرہ لا میں انسان کامل  
 کی سماعت و بصریت ہو جاتا ہوں۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ میں اُس کی آنکھ اور  
 کان بن جاتا ہوں۔ کیونکہ سمع و بصر باطنی امور ہیں۔ اور آنکھ اور کان ظاہری امور  
 ہیں۔ اسی لیے صورت ظاہری و باطنی میں فرق فرمایا۔ یہی حال ہے، حق تعالیٰ کا  
 ہر موجود میں موجودات عالم سے، مگر اُس کی حقیقت استعداد اور اُس کے  
 اقتضا کے موافق کیسی موجودیں وہ جامعیت نہیں ہے جو اس خلیفہ یعنی  
 انسان کامل میں ہے۔ اگر حق تعالیٰ اپنی صورت یعنی اسمائے صفات کے ساتھ عالم  
 میں سرایت نہ فرماتا۔ تو عالم موجود ہی نہ ہوتا۔ اسی طرفین کے ارتباط کی وجہ سے  
 عالم اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی طرف محتاج ہے۔ ہر ایک کو دوسرے کی طرف

ہندو آمل

احتیاج رہے۔ کوئی مستغنی نہیں۔ واجب تعالیٰ انہما رکملات اسما وصفات میں۔  
ممکن کا ممکن اپنے وجود میں واجب کا محتاج ہے۔ یہی بات حق ہے۔ ہم نے  
اُس کو صاف صاف کہہ دیا ہے

اس کو صاف صاف کہنا چاہیے کہ میں بھی نیکو کام ہی کا مجھ میں مرآتیت ہے (حسرت) فقر گدایاں سے ظاہر ہوتی جو دو سخاوت ہے اگر تم حق تعالیٰ کی استغناء و عدم افتقار کا ذکر کرو تو تم کو معلوم ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی غنائے ذاتی اور اپنے وجود میں عدم احتیاج مقصود ہے۔ واجب اور ممکن دو فعل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ کسی کا کسی سے انفصال درست نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا اس کو خوب یاد رکھو۔

ہیں۔ جو یہ ہیں اس کو وہ بے شک و تردید کہیں گے۔  
 تم جسد آدم و انسان کامل کی نشاۃ و پیدائش کی حکمت یعنی صورت ظاہری  
 سے واقف ہو چکے ہو۔ اور نشاۃ روح آدم یعنی صورت روح آدم اور اسماء  
 صفات حق کا تم کو علم ہو چکا ہے۔ تو سمجھ لو کہ اس کی دو جانب ہیں۔ ایک حق کی طرف۔  
 دوسری خلق کی طرف ہے۔

دوسری خلق کی طرف سے  
اُدھر اللہ سے واصل اُدھر بندوں میں بھی شامل خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا  
تقدیر بیک ناقہ نشاید و محمول لیلائے حد و شب تو و سلما کے قدم را  
یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اس کی نشأت و خلقت کا عالم میں کیا رتبہ ہے وہ تین اسما و  
صفات الہیہ کا منظر ہے۔ وہ واسطہ حق و خلق ہے۔ وہ جامع اجمال و تفصیل احدیت و  
واحدیت ہے۔ انھی وجوہ سے تو وہ مستحق تاج خلافت ہوا۔ آدم سے ہماری مراد  
وہ نفس واحدہ ہے جس سے یہ نفع انسانی پیدا ہوئی ہے جس کو بعض لوگ  
وحدت و حقیقت محمدی کہتے ہیں۔ انا من نور اللہ و کلہم من نورہی  
جس کے مظاہر عین الاعیان اور روح الارواح ہیں۔ اس پر یہ آیت دلالت  
کرتی ہے یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منها  
زوجہا و بث منہما رجلاً کثیراً و نساءً کہ گوا اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو  
ایک ذات سے پیدا کیا۔ خود اُس سے اُس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے مردوں  
اور عورتوں کو پھیلایا۔ واضح ہو کہ تفسیر و اعتبار دو جہ اجداد چیزیں ہیں تفسیر بلحاظ الفاظ  
اور سیاق و سباق کے ہوتی ہے۔ اور اعتبار دوسرے کے کلام کو اپنے مطلب پر۔

جزء اول

دُعا لینا ہے۔ ع بے تجارہ رنگیں کن گرت پیر مغال گوید۔ تفسیر:-  
 اگر تم سے بوڑھا شراب فروش کہے کہ تم اپنی جاننا نہ شراب سے رنگ لے لو تو ضرور  
 رنگ لو:- (اعتباس:-) اگر تم کو شیخ کامل کہے کہ تو اپنے وظائف و اوراد و نوافل پر  
 جذبات محبت الہیہ پیدا کرنے والے اشغال کو ترجیح دے تو ضرور ترجیح دے۔ غرض کہ  
 اتقوا ربکھو کا اعتبار یہ ہے کہ تم اپنے ظاہر کو رب کے بچاؤ کی سپر بناؤ۔ اور تمہارے باطن  
 یعنی حقیقت حقہ کو اپنی سپر بناؤ۔ کام اور چیز بد بھی ہوتی ہے اور نیک بھی۔ بدی و  
 مذمت کو اپنی طرف لو کہ وہ تمہارے وجود ناقص اور تمہارے ہی عین ثابت اور  
 فطرت ردیہ کی وجہ سے ہے۔ اور بدی کو حق جل مجدہ کی طرف منسوب نہ کرو۔ بلکہ تم  
 رب کی سپر بن جاؤ۔ لائق حمد کام کو اپنی طرف منسوب نہ کرو۔ حق تعالیٰ کی طرف  
 نسبت دو اور خیر و کمال میں حق کو اپنی سپر بناؤ۔ الیہ یصعد الکلم الطیب اپنی نعمتی کا  
 ہمیشہ خیال رکھو۔

اے ذاتِ تو جمع الکمالات (حسرت) میں بھی ہوں کمال بی کمالی  
 خدائے تعالیٰ نے آدم یا حقیقت محمدیہ کو ان تمام اسرار کا علم عطا فرمایا جو اس میں  
 ودیعت ہیں اور سارے عالم کو ایک مٹھی اور قبضے میں۔ اور اس ظاہری آدم و  
 بنی آدم کو ایک مٹھی اور قبضے میں رکھا اور بنی آدم کی آدمیت میں کیا مراتب و درجے ہیں  
 وہ دکھلا دیے۔ اور جب حق تعالیٰ نے مجھ کو میرے باطن میں ان اسرار پر اطلاع دی،  
 جو اس ابوالارواح امام الائمہ والداکبر یعنی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ودیعت تھے۔  
 تو میں نے ان اسرار میں سے اس کتاب میں اس قدر اسرار بیان کیے جن کی تعین  
 کی گئی۔ ان تمام اسرار کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا۔ جن سے میں واقف کیا گیا۔  
 کیونکہ ان کی کسی ایک کتاب میں وسعت کہاں۔ بلکہ موجودہ عالم میں بھی ان کی گنجائش  
 نہیں۔ میں نے جو کچھ مشاہدہ کیا اور دیکھا وہی اس کتاب میں لکھوں گا اور وہ بھی اسی قدر کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین و مقرر فرمایا۔ میں نے جو مشاہدہ کیا اور لکھنے والا  
 ہوں وہ حسب ذیل ہے:-

حکمت الہیہ کلمہ آدمیہ کے بیان میں۔ اور وہ یہی باب یعنی فصیح ہے۔ پھر  
 حکمت نفثیہ ہے کلمہ شیشیہ میں۔ پھر حکمت ستوحیہ ہے کلمہ نوحیہ میں۔ پھر حکمت قدوسیہ ہے

کلمہ ابراہیم میں پھر حکمت ہدیہ ہے کلمہ اسحاق میں پھر حکمت علیہ ہے کلمہ اسماعیل میں پھر حکمت روحیہ ہے کلمہ یعقوب میں پھر حکمت نوریہ ہے کلمہ یوسف میں پھر حکمت احمدیہ ہے کلمہ ہود میں پھر حکمت فاضلیہ ہے کلمہ صالح میں پھر حکمت قلبیہ ہے کلمہ شعیب میں پھر حکمت تدبیریہ ہے کلمہ عزیز میں پھر حکمت نبویہ ہے کلمہ عیسیٰ میں پھر حکمت رحمانیہ ہے کلمہ سلیمان میں پھر حکمت وجودیہ ہے کلمہ داؤد میں پھر حکمت نفسانیہ ہے کلمہ یونس میں پھر حکمت غیبیہ ہے کلمہ یوسف میں پھر حکمت جلالیہ ہے کلمہ عیسیٰ میں پھر حکمت مالکیہ ہے کلمہ ذکریہ میں پھر حکمت ایناسیہ ہے کلمہ الیاس میں پھر حکمت احسانیہ ہے کلمہ لقمان میں پھر حکمت امامیہ ہے کلمہ ہارون میں پھر حکمت علویہ ہے کلمہ موسیٰ میں پھر حکمت صمدیہ ہے کلمہ خالد میں پھر حکمت فردیہ ہے کلمہ محمد میں حکمت انسانی وہ پیر ہے جس کی طرف حکمت منسوب ہے۔

خائن لا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ کلمہ سے کہیں عقلی خاص اور کبھی شخص ربی معین مراد ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں میں نے صرف ان حکمتوں پر اقتصار و اختصار کیا ہے جو ام الکتاب تقدیر علم الہی حضرت صوریہ علم میں محمد و دو متعین تھے۔ جو مقدر تھا اس کی تکمیل و امتثال و بجا آوری کی۔ اور میرے لیے جو مسئلہ میں کی گئی تھی وہیں ٹھیکر گیا۔ اگر میں زیادت چاہتا بھی تو اس کی استطاعت و طاقت نہ ہوتی کیونکہ اس وقت اس عالم کا اقتضا مانع ہوتا ہے۔ اللہ میرا موفق اور وہی میرا رب ہے۔

ترجمہ

# فصول الحکم

جزو دوم

(۲) فصل ششم



## تہذیب فص دوم شیشیہ

فقیر ترجمہ قارئین کرام سے عرض کرتا ہے کہ اس مقام میں شیخ عربی نے جو مسائل بیان کیے ہیں کچھ ایسے انداز سے ہیں کہ لوگ یا تو غلط طور پر ان کو ورطہ جہالت میں پڑ جاتے ہیں۔ یا ان امور کا مصداق خود کو ظاہر کر کے لوگوں کو حقیقت ضلالت میں گرا دیتے ہیں۔ یا شیخ پر زبان طعن و تشنیع کھول کر خود اپنا نقصان کر لیتے ہیں۔ بہر حال یہ بڑا پریشان کن مقام ہے۔ فصوص کے اس مقام کا ترجمہ کرنے سے پہلے چند تحقیقات لکھ دیتا ہوں۔ اور بعض الفاظ و اصطلاحات کی تشریح بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

بنی۔ اس لفظ کے لغوی معنی خبر دینے والے یا خبر رکھنے والے کہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر قاصد ہر عالم ہر مجتہد حتیٰ کہ ہر استدراج والا جیسے سطح، مسیلمہ وغیرہ جس کو قبل از وقت کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے لغوی بنی ہے۔ بنابر ان عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ۔ بی بی مریم دوسرے اولیا صاحب الہام سب بنی کہلا سکتے ہیں اور جب بنی کے معنی خبر رکھنے والے کے ہیں تو جانوروں کو بھی کچھ نہ کچھ القا ہوتا ہے۔ غرض کہ بنی کا لغوی مفہوم بہت وسیع ہے۔ دوسرے بنی کے شرعی اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ بنی خدا کا وہ معصوم بندہ ہے جو

جز: دوم

جو صاحب وحی ہے۔ اس شرعی معنی کے لحاظ سے معصوم صاحب وحی کے سوانے کوئی بنی نہیں۔ ایک لفظ کے دو معنی ہونے کی وجہ سے لوگ اس طرح مغالطہ دیتے ہیں کہ ابتداء لغوی معنی کے لحاظ سے اپنے کو بنی کہتے ہیں۔ لوگ اس کو گوارا کر لیں تو پھر وہ اپنے کو یروزی بنی کہتے ہیں۔ پھر دعویٰ میں آتی کرتے ہیں تو اصطلاحی بنی بن بیٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء سے بھی افضلیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان مسلمانوں کو جو ان کے دعاوی تسلیم نہیں کرتے کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ ایسے دعاوی کی وجہ سے خود کو کفر پر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔

یروز کی تحقیق یہ ہے کہ اولیاء میں سے بعض کی فطرت کسی خاص نبی کی فطرت سے مشابہ ہوتی ہے۔ ہر چند کہ اولیاء کرام کو انبیاء عظام کے کمالات کی سپر کرائی جاتی ہے اور اولیاء انبیاء کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کے کمالات کا پر تو ان پر پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کی منفات غلتہ ان میں سے ظہور و بروز کرتی ہیں۔ مگر تکمیل سیر کے بعد ہر ایک اپنی فطری مناسبت کے اصل مقام پر ہوتا ہے مثلاً حمیت دین و امامی، نوحی المشریب۔ یا تحت قدم نوح یا منظر نوح یا بروز نوح کہلاتا ہے۔ اور رضا و تسلیم والا ابراہیمی المشریب۔ اور عشق و محبت والا موسوی المشریب اور وحدت و فیائیت والا عیسوی المشریب اور عبادیت والا جوسب کو جامع ہے محمدی المشریب کہلاتا ہے۔ بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں ولی میں فلاں بنی کا بروز ہوا ہے جیسے قمر میں شمس کا بروز ہوتا ہے۔ الغرض بنی اصل اور ولی اس کی نقل ہوتا ہے اور انبیاء کی اصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی صحابی، کوئی امام، کوئی ولی، کسی بنی سے بڑھ نہیں سکتا اور کوئی بنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بڑھ سکتا۔ لہذا کسی بنی یا صحابی یا ولی کو بنی اکرم پر ترجیح دینا کفر ہے۔ آپ کے برابر سمجھنا بھی کفر ہے انبیاء کی تحقیر بھی کفر ہے۔ اولیاء اللہ کو برا بھلا کہنا حق تعالیٰ کے اعدان جنگ کے لیے تیار ہونا ہے اللہم احفظنا من کل بلاء۔

ولی کے معنی "عرب الی اللہ کے ہیں۔ بعض اہل بیعت ولی کے معنی

جزو دوم

اولی بالتصرف کے لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔ جس امر کو چاہیں حلال کریں جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ دین متحدی ناقابل نسخ ہے۔ حرام و حلال کا حکم اللہ دیتا ہے پیغمبر اس کے معلم ہیں۔ حلال و حرام کے سوا جو چیزیں ہیں وہ قابل اجتہاد ہیں۔ اجتہاد سے جو چیز معلوم ہو وہ ظنی، غیر قطعی ہوتی ہے۔ اس کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ غرضکہ محتل و محترم اللہ ہے۔ نہ رسول نہ ولی۔ نہ امام لہذا ولی بمعنی محتل و محترم خدا کے سوا کئی نہیں۔ ہاں اس کے معترف و معلم انبیاء و ائمہ ہیں۔

رسول و مرسل کے معنی لغت میں فرستادہ و قاصد کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں بنی بالکتاب کے ہیں۔ بعض دفعہ اہل تصوف جانب قرب الہی کو ولایت اور جانب تعلق امت کو رسالت کہتے ہیں لہذا ہر بنی یا رسول میں دو جانب ہوتے ہیں۔ جانب اخذ و جانب تبلیغ تا حیات دنیا رہتی ہے اور جانب قرب حق دائمی ہے لہذا بنی کی جانب قرب۔ بنی کی جانب تبلیغ سے اعلیٰ ہے یہ معنی ہیں الوکایۃ افضل من النبوتہ کے۔ اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ پیغمبر کی رسالت سے ولی تابع کی ولایت افضل ہے۔ پیغمبر کے کمالات ذاتی ہوتے ہیں۔ ولی تابع کے کمالات بالغرض۔ بتوسط پر تو کمالات بنی متبوع۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ کبھی ولی کہتے ہیں اور اس سے مراد انبیاء و دیگر مقررین لیتے ہیں۔ اس وقت ولی کا لفظ بنی سے عام ہوتا ہے۔ کبھی ولی کا لفظ کہتے ہیں بنی کے ساتھ مثلاً انبیاء و اولیاء تو اس وقت ولی کا لفظ اصحاب ائمہ ہدی و دیگر مقررین پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض دفعہ اولیاء کا لفظ اصحاب و ائمہ کے مقابل کہا جاتا ہے۔ اس وقت اس لفظ سے انبیاء و اصحاب و ائمہ نکل جاتے ہیں۔

ایک اور لفظ ہے جو بحث طلب ہے اور وہ لفظ "خاتم" ہے۔ خاتم بفتح تا۔ مہر جس سے کسی شے کو ختم اور تمام کرتے ہیں۔ جب مہر کر دی جاتی ہے تو اس کے بعد کوئی عبارت نہ داخل ہو سکتی ہے نہ خارج۔ خاتم۔ بکسر تا۔ ختم کرنے والا۔ تمام کرنے والا۔ شرع میں خاتم اور خاتم کے لفظ جب متعمل ہوتے ہیں تو آخر ہی کے معنی ہیں۔ جس کے بعد پھر کوئی نہ ہو۔ بعد کو بعض حضرات نے بطور اعتبار کے خاتم کے معنی

اعلیٰ و ارفع لیے جس کے مرتبے میں کوئی اُس کا ہمسر نہ ہو۔ قرآن شریف میں یا حدیث شریف میں خاتم کے معنی محض اعلیٰ کے لینا قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اس زمانے کے محاورے کے خلاف ہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہیں آخر کے جس کے بعد نہ اعلیٰ نہ مساوی نہ ادنیٰ کوئی نہیں۔ اعتبار کے طور پر۔ اصطلاح جدید کے طور پر خاتم کے معنی اعلیٰ لیں دوسری بات ہے۔ مگر اس اصطلاح پر احکام شرعی مرتب نہیں ہوتے۔ پس واضح ہو گیا کہ خاتم الانبیاء کے معنی کیا ہیں۔ عرف زمانہ رسالت میں خاتم الانبیاء سے مراد وہی ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے نبی ہو تو ہو۔ کوئی جدید نبی نہ ہو۔ پس خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبان شرع و محاورہ زمانہ رسالت کے لحاظ سے آخر الانبیاء ہیں۔ اور جدید اصطلاح کے اعتبار سے بھی افضل الانبیاء ہونا مسلم ہے۔

اب خاتم الاولیا کو لے لے۔ اول تو قرآن و حدیث میں لفظ خاتم الاولیا کی کوئی سند نہیں اور اگر خاتم الانبیاء پر قیاس کر کے خاتم الاولیا کے معنی پیدا کیے جائیں تو خاتم الاولیا بمعنی آخر الاولیا۔ وہ ولی جس کے بعد کوئی ولی نہ ہو۔ یہ لفظ اُس شخص پر صادق آئے گا جو قرب قیامت میں ہوگا اور اُس کے بعد کوئی ولی نہ ہوگا۔ اور اصطلاح جدید کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کا ولی و مقرب الہی مراد لیجئے تو اس کا مصداق صرف صاحب مقام محمود حبیب خدا ہیں۔ کیونکہ ان سے زیادہ خدا ئے تعالیٰ کا کوئی مقرب نہیں۔

ان محاورات و اصطلاحات کے نہ سمجھنے اور بات سے بات ملانے میں حیرت و پریشانی لاحق ہوتی ہے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اہی کی نوبت آتی ہے۔

## ترجمہ فصاحت و لغویہ کلمہ شیشہ میں

ف۔ نفث کے لغوی معنی پھونکنے کے ہیں۔ یہاں افانثہ وجود و عطایا القامراد ہے۔ اور شیشہ کے لفظی معنی ہبہ کے ہیں۔ اور آدم کے فرزند کا نام ہے جو نبی تھے۔

واضح ہو کہ بعض عطایا بتوسط انسانوں کے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً استاد و مرشد وغیرہ۔ بعض غیر انسانوں کے توسط سے مثلاً حق تعالیٰ و ملائکہ وغیرہ کے پھر عطایا دو قسم پر ہیں۔ (۱) عطایائے ذاتیہ جن کا منشأ ذات حق اور بلا واسطہ میں (۲) عطایائے اسمائے جو بتوسط اسماء کے ہیں۔ یہ دونوں اہل ذوق کے پاس باہم ممتاز نہیں۔ نیز بعض عطایا وہ ہیں جن کے لیے سوال میں تعین کیا جاتا ہے۔ یا تعین نہیں کیا جاتا۔ نیز بعض عطایا میں زبانی سوال نہیں ہوتا۔ بلکہ زبان حال اور اقتضا کی طلب ہوتی ہے۔ خواہ عطیہ ذاتی ہو یا اسمائی عطیہ معین جیسے کوئی کہے خدا یا، مجھ کو فلاں چیز عطا کر۔ وہ سائل ایسے عطیہ کو معین کرتا ہے جو اُس کے دل میں اُس کے سوا کسی اور شے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ عطیہ غیر معین سے سوال جیسے کوئی کہے یا رب! مجھ کو وہ عطا فرما جس میں میرا فائدہ اور مصلحت ہے۔ یہ شخص نہ لطیف نہ کثیف کسی شے کا تعین نہیں کرتا۔

[illegible]

جندہم

مطلوبہ و معین و غیر معین کسی سے متعلق نہیں۔ اس کا ارادہ صرف اس قدر ہے کہ مالک کے حکم کو بجالائے۔ اقتضائے حال ہوا تو ازراہ بندگی سوال کیا۔ تہنیت الی اللہ اور سکوت کا اقتضا ہوا تو چپکے اور خاموش رہا۔

ذرا ایوب علیہ السلام وغیرہ انبیاء اور اولیاء کے احوال پر غور کرو۔ ایک زمانے تک سحر و بلا یا رہے۔ اور رفع کے لیے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکالا۔ پھر جب دوسرے وقت اُن کے حال نے اقتضائے دعائے رفع بلا کیا تو سوال کیا رب انی مسنی الضم و انت ارحم الراحمین۔ اور خدا نے بلا کو دفع بھی کر دیا۔ اجابت دعا کے دو معنی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا لبتیک کہنا۔ (۲) مطلوب کا پورا کرنا۔ لبتیک کہنا تو ہر دعا کے ساتھ فوراً ہوتا ہے اب رہا مطلوب کا پورا ہونا یہ وقت مقدر پر موقوف ہے۔ اگر اجابت کا وقت آگیا ہے تو فوراً مقصود عطا کر دیا جاتا ہے۔ اگر اُس کا وقت آخرت میں یا دُنیا میں بدیر مقدر ہے تو اُسی وقت مقصد پورا کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے کو خوب خیال کر رکھو۔ قسم ثانی جو بے سوال عطا ہو اُس کی تحقیق یہ ہے کہ کوئی عطا بے سوال کسے نہیں ملتی۔ سوال زبانی بھی ہوتا ہے بغیر زبان کے بھی ہوتا ہے۔ جہاں سوال زبان قال سے نہیں ہوتا۔ زبان حال یا زبان استعداد سے ہوتا ہے جس طرح کہ حمد مطلق کبھی لفظ میں ہوتی ہے کبھی معنی میں۔ ہر حال حمد کو حال مقید کر دیتا ہے۔ جو شے باعث حمد الہی ہوتی ہے۔ وہی تم کو اس اسم فعل سے مقید کر دیتی ہے۔ مثلاً تم الحمد للہ کہتے ہو پس اگر اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلایا ہے تو فی الحقیقت تم نے یہ کہا ہے۔ الحمد للمطعم یعنی کھلانے والے کا شکریہ۔ ٹھنڈا پانی پی کر تم نے الحمد للہ کہا تو دراصل تم نے الحمد للتساقی کہا۔ یعنی پانی پلانے والے کا شکریہ۔ یا اسم تنزیہ سے مقید کر دیتی ہے۔ الصمد۔ القادوس۔ بندہ اپنی استعداد کو نہیں سمجھتا مگر اپنے حال کو سمجھتا ہے۔ کیونکہ باعث دعا کو جو حال ہے بندہ سمجھتا ہے۔ غرض کہ سوال استعداد یعنی تر سوال ہے۔ ان لوگوں کو سوال سے یہ امر دوکتا ہے کہ وہ جانتے ہیں اور اُن کو علم رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام عالم میں پہلے سے کیا مقدر کر دیا ہے۔ وہ اپنے دل کو جو کرتے ہیں کہ تقدیر کے موافق اللہ جل مجدہ کی طرف سے جو وارادہ ہوا دے اُسے قبول کہیں۔ وہ اپنے

انفوس شہوانیہ و اغراض نفسانیہ سے غائب ہیں۔ ان اہل حضور میں سے ایسے مارف بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ خارج میں اشیاء موجود ہونے سے بیشتر اپنے میں ثابتہ کے علم الہی میں رہنے کی حالت میں ان اشیاء کے خاص خاص اقتضات سے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ وہی مطلق کرتا ہے جو عین ثابتہ کا اقتضا اور فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ بندے کے متعلق حق تعالیٰ کا علم کہاں سے حاصل ہوا۔ ایسے اہل اللہ سے کوئی اور صنف اولیاء کی زیادہ اعلیٰ و مناسب کشف نہیں کیونکہ یہ واقف ستر قدر میں۔ واقف ستر قدر کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو ستر قدر کو اجمالاً جانتے ہیں اور بعض ستر قدر کو تفصیلاً جانتے ہیں جو ستر قدر کو تفصیلاً جانتے ہیں وہ ان حضرات سے اعلیٰ و اتم ہیں جو اجمالاً جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علم الہی میں بندے کے حق میں کیا متعین ہے۔ خواہ اس کو حق تعالیٰ ہی نے اس کی اطلاع دی ہو۔ جو کچھ بندے کے عین ثابتہ کا اقتضا علم الہی میں ہو۔ یا حق تعالیٰ نے بندے کے عین ثابتہ کو کشف کر دیا ہو۔ اور اس کے غیر قنلہی احوال جو ہمیشہ اس پر بدلتے اور منتقل ہوتے رہتے ہیں ظاہر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اس کا اپنے عین ثابتہ کو جاننا بمنزلہ علم اللہ کے ہے۔ دونوں کا علم ایک مقام ایک معدن یعنی عین ثابتہ سے ہے مگر کہاں علم الہی کہ علم اللہ حق تعالیٰ کی سابقہ عنایت ہوتی ہے تو بندے کو ایسا کشف ہوا ہے۔ بندے کا وجود بالعرض ہے تو اس کا علم بھی بالعرض ہو گا۔ یہ عنایت حق بھی اس کے عین ثابتہ کے اقتضات سے بندے کو ایسا کشف اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس بندے کو اس کے عین ثابتہ کے حالات پر اطلاع بخشنے۔

عین ثابتہ کی دو حالتیں ہیں (۱) موجود بروجود خارجی (۲) قبل وجود خارجی۔ اگر حق تعالیٰ بندے کو حالت وجود خارجی میں عین ثابتہ پر بھی مطلع کر دے تو کیا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ تو بندے کو اس کے موجود فی الخارج ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ اس لیے کہ اعیان ثابتہ بندے کے حال عدم میں یعنی قبل وجود خارجی اللہ تعالیٰ کے نسب ذاتیہ ہیں۔ ان کی کوئی صورت ہی نہیں کہ غیر حق ان سے

جز دوم

مطلع ہو۔

ف۔ واضح ہو کہ علم حق تین طرح پر ہوتا ہے (۱) علم ذاتی۔ اس میں حق تعالیٰ خود ہی عالم، خود ہی معلوم، اور خود ہی علم ہے۔ حق تعالیٰ نے مرتبہ ذات میں خود کو جانا تو سب کو بھی جان لیا۔ کیونکہ وہی سب کا منشاء و اصل ہے (۲) علم فعلی۔ ذات حق سے بذریعہ فیض اقدس تمام اشیا کے حقایق و صورت قبل خلق، علم الہی میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر یہ علم نہ ہو تو حق تعالیٰ کے افعال و تدبیر اری و بے اختیار ہوں گے۔ اور اشیا کو پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آئے گا جو مستلزم جہل حق ہے۔ اور یہ محال ہے۔ (۳) علم انفعالی۔ تمام اشیا کو پیدا کرنے کے بعد عالم شہادت میں شہود ہوتا ہے۔ علم ذاتی و علم فعلی خدا کے تعالیٰ سے خاص ہیں۔ بندے کو ان سے کچھ بہرہ و حصہ نہیں۔ اشیا کے خلق و موجود فی الخارج ہونے کے بعد اعیان و حقایق اشیا منکشف ہوتے ہیں تو خالق و خلق کا علم ایک وضع کا اور ایک معدن سے اور بطور شہود کے ہوا۔ کیونکہ عین خارجی۔ اور وہ شے جو موجود فی الخارج ہے۔ منکشف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اور بندہ کو بھی علم شہودی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حتیٰ نعلم (کہ ہم جان لیں) ولما یعلموا اللہ (اور ہنوز اللہ سے نہ جانا) یہاں علم سے علم شہودی مقصود ہے۔ جو بندوں کو بھی ہوتا ہے اور نعلم اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ ظاہر المراد ہے جس کا مشرب ایسا نہیں وہ نعلم میں تاویل کرتے ہیں مثلاً حتیٰ یعلم خلیفتی و رسولی محمدؐ۔ یہاں تک کہ ہم جان لیں یعنی میرا خلیفہ اور رسول محمدؐ جان لے۔ حقیقۃً نعلم کی تاویل کی گئی ہے۔ شکلیں کی طرف سے جو عقلی جواب دیا کرتے ہیں زیادہ سے زیادہ جواب حدوث علم الہی کا یعنی حتیٰ نعلم سے پہلے علم نہ ہوتا، بعد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جو حدوث ہے، یہ ہے کہ علم کا شے حادث سے تعلق و نسبت حادث ہے، نہ کہ اصل علم حادث ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے علم الہی کو زائد از ذات سمجھا۔ علم کا تعلق ذات سے سمجھا۔ علم کا منشاء ذات کو نہ سمجھا۔ اسی سے متکلم محقق۔ اہل اللہ صاحب کشف و وجدان سے جدا ہو گیا۔ کیونکہ ان کے پاس سب کا منشاء حق تعالیٰ ہے۔ اب ہم پھر عطا کیا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عطا یا در قسم کے ہیں (۱) عطا یا ئے ذاتیہ۔

جزو دوم

(۲) عطایائے اسمائیہ۔ انعامات اور ہبات و عطایائے ذاتیہ ہمیشہ متجلی الہی سے ہوتے ہیں۔ یعنی اسماء و صفات کا ظہور اعیان ثابتہ پر ہوتا ہے (اللہ کا نام بھی ذات واحدیت پر اطلاق و استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی ذات مع جمع جمیع صفات کمالیہ پر۔ یہاں اطلاق دُوم ہی مقصود ہے۔ کیونکہ مرتبہ ذات محضہ واحدیت بزرگ محض ہے۔ وہاں نہ اسم ہے نہ اسم) اور تجلی الہی ہمیشہ متجلی۔ یعنی عین ثابتہ کی استعداد و اقتضا کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا ہے

دیتا ہے ہر اک کو حکیم (حسرت) جس کی جیسی فطرت ہے جب یہ ٹھیکہ کہ حسب استعداد عین ثابتہ تجلی حق ہوتی ہے۔ تو متجلی یعنی دیکھنے والا، مرات حق میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اُس نے ذات حق کو اور شان تنزیہ کو ہرگز نہیں دیکھا۔ اور ہرگز دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اُس کو اتنا علم ضرور ہے کہ وہ حق میں خود کو دیکھ رہا ہے۔ جیسے تم آئینے میں اپنی صورت یا دوسروں کی صورتیں دیکھتے ہو تو کیا آئینے کو بھی دیکھتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ آئینے کا کام دکھانا ہے نہ کہ دکھائی دینا۔ آئینہ اگر نظر آجائے تو وہ آئینہ نہ ہوا بلکہ ایک شیشے کا ٹکڑا ہوا۔ مگر اتنا بھی ضرور سمجھتے ہو کہ میں آئینے ہی میں خود کو اور رب کو دیکھ رہا ہوں۔ آئینہ کہے گا کیا کیا تجھ میں ہے رعنائی (حسرت) پوچھ اُس سے اپنی قیمت تیرا ہے جو شیدائی اور دل من است و دل من بدستِ لو چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ خدائے تعالیٰ نے آئینے کو ایک مثال اور نمونہ بنایا ہے اپنی تجلی ذاتی کا تاکہ متجلی لہ یعنی جس پر تجلیا ہوتی ہے۔ جان لے کہ اُس نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہی نہیں۔ رویت و تجلی کی کوئی مثال آئینے سے زیادہ بہتر اور مناسب نہیں۔ ذرا آئینہ دیکھتے وقت کوشش تو کرو کہ آئینے کا جرم دیکھو تو ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ بعض لوگ جنہوں نے اس قسم کا ادراک کیا کہنے لگے کہ آئینے کے دیکھنے میں خود رائی یعنی دیکھنے والے کی صورت حجاب رائی ہو گئی ہے۔ ان لوگوں کا زیادہ سے زیادہ علم ہی ہے۔ مگر حق وہ ہے جو ہم نے کہا کہ نہ آئینہ نظر آ سکتا ہے نہ وجود حق مرئی ہو سکتا ہے۔ اس مسئلے کو ہم نے فتوحات مکیہ میں بھی بیان کیا ہے۔ اگر تم کو اس کا ذوق و وجدان حاصل ہو گیا ہے تو جان لو کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ ظلم و وجدان کا نہیں ہے۔

اس درجے سے اوپر ترقی کرنے کی کوشش بیکار ہے۔ اس سے اوپر کچھ نہیں اس کے بعد جنہم  
عدم محض و نیستی صرف کے سوا کچھ نہیں۔

تقریر بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہارے اپنے آپ کو دیکھنے کا آئینہ  
حق تعالیٰ ہے۔ اور حق تعالیٰ کے اپنے اسما اور ظہور احکام کے دیکھنے کا آئینہ تم ہو۔  
اور یہ اسمائے الہیہ گو مفہوم میں جدا ہیں مگر ان کا منشا ذات حق ہی ہے۔ پس ذات  
امر حق اور امر عبد ایک دوسرے سے متشابه ہو گئے۔

تو آئینہ میں ہوں عکس میں آئینہ تو ہے شخص <sup>مشتعل خاموش</sup> آئینہ جب اٹھا دیا، عکس شخص کا فرق مٹا  
بعض عرفا نے علم میں اظہار جہل و عجز کیا۔ اور کہا: اس امر کا عجز ظاہر کرنا کہ  
ذات حق احاطہ ادراک سے خارج ہے، عین ادراک ہے۔ کیونکہ غیر ممکن کو غیر ممکن  
محال کو محال سمجھنا ہی عین علم ہے۔ اور بعض عرفا یہ جان کر کہ ذات حق احاطہ ادراک  
سے خارج ہے خاموش رہ گئے۔ بہر حال ایک خاموش ہے۔ دوسرا اظہار عجز  
کر رہا ہے۔ اظہار عجز کرنے والا آزمودہ کار ہے۔ اس لیے وہ نسبت خاموش کے  
حق تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہے۔

یہ شہود و معرفت والقا بلا واسطہ بالذات بالاصالة صرف خاتم الرسل  
خاتم الاولیا کو ہے۔ انبیاء و رسل جو دیکھتے ہیں وہ مشکوٰۃ خاتم الانبیاء و الرسل سے  
دیکھتے ہیں۔ اور کوئی ولی کچھ نہیں پاتا، مگر مشکوٰۃ خاتم الاولیا سے۔ کیونکہ رسالت و  
نبوت نہ بمعنی لغوی یعنی خبر دینا، بلکہ بمعنی نبوت تشریع و رسالت تشریع انتقال  
کے بعد منقطع ہو جاتی ہے اور انبیاء و رسل ظاہری تبلیغ نہیں کرتے اور ولایت  
کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ انبیاء و رسل اولیا ہونے کی وجہ سے مشکوٰۃ خاتم الاولیا  
یعنی افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی دیکھتے ہیں۔ تو پھر دوسرے اولیا کا کیا  
ذکر ہے۔ خاتم الاولیا جو خود خاتم الانبیاء ہیں صلی اللہ علیہ وسلم خود عمل میں اس  
شریعت کے تابع ہوتے ہیں جس کی وہ تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے خاتم الاولیا کی  
حیثیت کا خاتم الانبیاء کی حیثیت سے کم ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حیثیت خاتم الاولیا  
حیثیت خاتم الانبیاء سے ایک طرح سے کم ہے تو ایک طرح سے زیادہ بھی ہے۔  
ایک کامل ایک اعلیٰ مسئلے کی طرف توجہ کرتا رہے۔ اُس کا شاگرد اُس کی توجہ

جزء دوم

ایک چھوٹے سے ضروری مسئلے کی طرف مبذول کرتا ہے۔ یہ ضروری مسئلہ بھی خود اُس کامل سے سیکھا ہوا ہوتا ہے۔ ہمارے اس خیال کی اس ظاہر شرع کے مسئلے سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ رحم قیدیوں کو چھوڑنا چاہا، اور جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے قتل کا مشورہ دیا۔ اور حضرت رسول اکرم نے مادہ کھجور کے درخت کو زکے پھول ڈالنے کا قاعدہ جس کو تابیر کہتے ہیں۔ اٹھا دینا چاہا۔ اور دوسروں نے ایک سال بارگم آنے کی وجہ سے بے صبری کی۔ اور درخواست کی کہ تابیر یعنی پھول ڈالنے کی اجازت دی جائے۔ اور دسے دی گئی۔ اس واقعے کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک بی بی نے ایک بکری پکائی حضرت نے دست مانگا، اور اُس بی بی نے دے دیا۔ پھر مانگا اُس بی بی نے دے دیا۔ پھر مانگا۔ اُس بی بی نے کہا کہ بکری کے دوہی دست ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تو دیتی ہی جاتی تو دست نکلتا چلا جاتا۔ غرض کہ مردان خدا کی نظر معرفت الہی، اور اُس کے اظہار کمال میں مصروف رہتی ہے۔ کیونکہ وہی اُن کے مد نظر رہتا ہے اور دُنیا کے دھندلوں کی طرف اُن کا تعلق خاطر نہیں ہوتا۔ اس تحقیق کو جو ہم نے بیان کیا، خوب یاد رکھو۔

ایک دفعہ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ”دیوار نبوت طمائی اونٹوں سے مکمل ہو چکی ہے، صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے۔ وہ آخری اینٹ ذات مقدس خاتم الانبیاء تھی۔ مگر چونکہ آپ نے حیثیت رسالت کو ملاحظہ فرمایا، اس لیے آپ نے ایک ہی خشت ملاحظہ فرمائی۔ ہر حال ذات گرامی کے بعد دیوار رسالت و نبوت مکمل ہو چکی، اور آپ کے بعد کوئی بنی و رسول پیدا نہ ہو سکا۔“

حیثیت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں حیثیت خاتم الاولیاء بھی ایسا ہی خواب دیکھے گی۔ اور آپ کے سامنے جو مثال آئی۔ اور آپ نے خواب میں دیکھا، ایسا ہی حیثیت خاتم الاولیاء بھی دیکھے گی۔ اور دیوار ولایت میں دو خشت کی جگہ ہوگی۔ ایک خشت سونے کی اور ایک خشت چاندی کی جن دو اینٹوں سے دیوار ولایت میں دو خشت کی جگہ باقی ہوگی۔ ایک خشت سونے کی

جزء دوم

اور ایک نشست چاندی کی لگ جانے کے بعد دیوار ولایت مکمل ہو گئی۔ اور بغیر ان کے غیر مکمل و ناقص رہے گی۔ ایک سونے کی اور ایک چاندی کی نشست اس لیے ہوگی کہ خاتم الانبیا ہی خاتم الاولیا ہے۔ نبوت سونے کی اینٹ کی صورت میں اور ولایت چاندی کی اینٹ کی صورت میں۔ چونکہ ولایت نبی نبوت نبی سے افضل ہوتی ہے۔ لہذا ولایت نبی سونے کی اینٹ اور نبوت نبی چاندی کی اینٹ کی صورت میں نمایاں ہوگی۔ اور خاتم الاولیا اپنے آپ کو ان دو اینٹوں کی جگہ چسپاں دیکھے گا۔ اور خود خاتم الاولیا جو خاتم الانبیا ہی ہے دو اینٹیں ہو گا جن سے دیوار ولایت مکمل ہوگی۔

خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت ولایت دو اینٹیں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہر شرع میں خاتم الرسل کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ اتباع چاندی کی اینٹ میں متمثل ہوگی۔ ظاہر شرع سے مراد احکام شرع ہیں جن کی وہ خود اتباع کرتے ہیں۔ حالانکہ بحیثیت خاتم الاولیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام احکام باطن میں اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور ظاہر میں خود ان کی اتباع فرماتے ہیں۔ نماز و روزہ و دیگر احکام بجالاتے ہیں، تو اتباع رسالت میں بجالاتے ہیں۔ خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم واقعے اور نفس الامر کو ایسا ہی پاتے ہیں، تو عالم مثال اور خواب میں ایسا ہی دیکھیں گے۔ خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب باطن میں سونے کی اینٹ ہے۔ آپ اسی مقام یعنی جانب قریب الہی سے لیتے ہیں، اور ملک یعنی فرشتہ وحی اپنے کو جانب رسالت کو پہنچاتا ہے۔ سچ پوچھو، تو خود فرشتہ جانب قرب و ولایت متحدی سے لیتا ہے، اور جانب رسالت کو پہنچاتا ہے۔ اگر تم نے اس تحقیق کو خوب سمجھ لیا تو تم کو بڑا نافع علم حاصل ہو گیا۔

واضح ہو کہ حضرت شیخ نے بحیثیت فنائیت و ظہریت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم خود کو ایسا ہی خواب میں دیکھا، اور فتوحات مکبہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ شیخ کی عبارت سے کبھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور ولی کی مشکوٰۃ ولایت سے لیتے ہیں یا کسی اور ولی کو راستہ قریب حق نصیب

جز دوم

ہوتا ہے

نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی۔ بیج سے پردہ <sup>دستِ پند</sup> تو اسے نورِ خدا بیشک مہیا ہے وہ بے حد ہے  
 ہر ایک بنی آدم سے آخر بنی آدم مسئلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 اخذ کرتا اور لیتا ہے۔ خاتم النبیین اگرچہ وجود خارجی میں متاخر اور بعد میں۔ مگر  
 اپنی حقیقت و روحانیت کی وجہ سے پہلے ہی سے موجود ہیں۔ یہی نبی ہیں کہ ت  
 نبیا و آدم بن الماء والطين کے۔ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم  
 آب و گل میں تھے۔ دوسرے انبیاء اس وقت نبی ہوئے جبکہ پیدا ہوئے۔ اور  
 مبعوث ہوئے۔ اسی طرح خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم ولی تھے اور آدم علیہ السلام  
 پانی اور مٹی میں تھے۔ وہ اولیا جو غیر خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہیں  
 اس وقت ولی ہوتے ہیں جبکہ شرائط ولایت کی تکمیل آریں۔ وہ شرائط ولایت  
 کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان اخلاق و اوصاف سے جن سے وہ ولی حمید کے  
 اسم سے مستحق ہے، متصف ہو جائیں۔ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کو  
 جو نسبت ہے، وہی نسبت خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم سے اولیا کو ہے۔  
 حضرت صلعم ولی بھی ہیں اور رسول و نبی بھی ہیں۔

اب رہ گیا خاتم الاولیا صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر جو ولی و اسٹ ہے۔  
 وہ اپنی فنائیت و منظریت کی وجہ سے بظاہر اصل و معدن سے لیتا ہے۔ اور  
 تمام مراتب کا شاہد کرتا ہے۔ وہ مظہر ختم ولایت ایک نبی ہے، انبیوں سے،  
 خاتم الرسل و الاولیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 مقدم جماعت پیشوائے انبیاء و اولیا ہیں۔ اور باب شفاعت کے کھولنے میں  
 سید اولاد آدم ہیں۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فضل خاص ہے۔ جو اور انبیاء کو عام نہیں  
 ہر چند کہ تمام مخلوقات میں اسمائے الہیہ کا ظہور ہے۔ اور ممکن کا جب وجود ہی  
 بالعرض ہے تو اس کی اور کیا چیز ذاتی ہوگی تاہم بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ  
 شفیع المذنبین کو جن میں رحمت حق مخفی ہے۔ بظاہر اسمائے الہیہ پر تقدم ہے۔  
 کیونکہ اسم رحمن اہم منتقم کے پاس ماصیل کی سفارش نہیں کرتا۔ مگر شفاعت  
 کرنے والوں کی شفاعت کے بعد۔ لہذا امر شفاعت میں تاج سیادت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہی رہا۔ جو شخص مراتب و مقامات کو سمجھتا ہے۔ اس پر ہمارے اس کام کا سمجھنا بھی دشوار نہیں۔

اب ہم پھر عطایا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ عطایا دو قسم کی ہیں (۱) عطایائے ذاتیہ۔ (۲) عطایائے اسمائیہ۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحمت فرما کر عطایائے اسمائیہ عطا فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عطایا اسمائے الہیہ ہی سے پیدا ہوں گے نہ کہ ذات محض سے۔ عطایائے اسمائیہ کی تین قسمیں ہیں۔ کیونکہ رحمت کی تین قسمیں ہیں:- (۱) رحمت محض (۲) دنیا و نفس کے موافق۔ (۳) آخرت و روح کے موافق اور جسم کے ناموافق۔ اب ہم ان کی تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ بعض عطایائے رحمت خالص ہوتے ہیں جن میں دنیا و آخرت دونوں میں راحت و لذت ہے، جیسے رزق حلال لذیذ۔ کہ دنیا میں بالذات اور آخرت میں بغیر آمیزش عذاب و مصیبت ہے۔ رحمت محض اسم رحمن سے ہوتی ہے، لہذا اس کی عطایا عطایائے رحمانی کہلاتی ہیں۔ بعض رحمت تکلیف کے ساتھ آمیزتہ رہتی ہے۔ جیسے بزمہ۔ کڑوی دوا کا پیسنا۔ جس کا انجام راحت ہے۔ ایسی بزمگی آمیز عطا کو عطایائے الہی کہتے ہیں۔ کیونکہ جو عطایا ہوں گی، وہ کسی نہ کسی اسم کے توسط سے جاری ہوں گی۔ ایسی عطایا کو عطایائے الہیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ سے مقصود ذات مع جمیع صفات کمالیہ ہے نہ کہ ذات محض۔ کہ وہ دو جہان سے مستغنی اور غنی عن العالمین ہے۔ اور اس کا کوئی منظر نہیں ہے۔

کبھی اللہ تعالیٰ عطایا بخشا ہے۔ دست رحمن سے، تو یہ عطایا فی الحال، ناملائم طبع و ناموافق طبیعت۔ اور غیر مقصود و غیرہ کی آمیزش سے پاک ہوتی ہیں یعنی خالص موافق ہوتی ہیں۔ کبھی دست اسم واسع سے عطا کرتا ہے، تو وہ عطایا عام ہوتی ہیں۔ اور کبھی بدست حکیم تو وہ اسم فی الحال بندے کی مصلحت کو دیکھتا ہے۔ یا بدست و آہب عطا کرتا ہے، تو وہ نہ طالب عمل ہوتا ہے نہ شکر۔ بلکہ عطا سے صرف انعام و احسان مقصود رہتا ہے۔ یا بدست جبار تو موقع اور بندے کا استحقاق پیش نظر رہتا ہے۔ یا بدست غفار، تو وہ عبد کے عمل اور

جز دوم

حاصل کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اگر وہ گنہگار اور مستحق عقوبت ہے، تو عذاب سے بچا لیتا اور رحمت میں چھپا لیتا ہے۔ اگر بندہ بے گنہ اور مستحق عذاب ہی نہ ہو تو نفس گمنام اور اس حال سے بچا لیتا ہے جس سے مستحق عذاب ہو یعنی گناہ سادہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اُس وقت پیغمبر کو معصوم اور محتجب بہ اور محل عنایت کہتے ہیں۔ اور اولیاء کو محفوظ وغیرہ مناسب نام دیتے ہیں۔ اسمائے الہیہ کو ذات سے زیادہ سمجھ کر تجلیات اسمائے عالم مثال میں دیکھ کر ذات حق سے ایسی غفلت ہو گئی کہ ہر ایک اسم کو جدا جدا یوتا اور رب النوع وغیرہ سمجھے اور لگے بت پرستی کرنے، حالانکہ دینے والا اللہ ہی ہے۔ مگر اعتبار اس اسم کے جو اُس کے خزانوں کا خزانہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے خزانے سے عطا فرماتا ہے۔ اس میں معلوم الہی یعنی حین ثابتہ کی شے استعداد و قابلیت و فطرت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ کے اسم خاص کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

وہی نمایاں ہوتا ہے (تقریباً) جس کی جیسی فطرت ہے

دیتا ہے ہر اک کو حکم جس کی جیسی لیاقت ہے

قدر و وسع آئینہ ظاہر ہوتی صورت ہے

نظم جہاں پر غور کرو جو ہے عین حکمت ہے

اللہ تعالیٰ ہر شے کو مخلوق کرتا ہے، تو حین ثابتہ کی استعداد کے موافق،

بتوسط اسم عدل و حکم و مقسط وغیرہ مخلوق کرتا ہے۔ اور وجود خارجی اور اُس کے احکام و لوازم عطا کرتا ہے۔

اسمائے اللہ تعالیٰ غیر متناہیہ اور بے حد ہیں۔ کیونکہ اسمائے الہیہ پر آثار

و افعال الہیہ دلالت کرتے ہیں۔ اور افعال و آثار غیر متناہیہ ہیں۔ جو اسمائے

نمایاں ہوتے ہیں۔ لہذا اسمائے الہیہ بھی غیر متناہیہ ہوں گے۔ مگر ان غیر متناہی اسماء کا

مرجع اور ان کے اصول متناہی ہیں۔ ان اصولی اسماء کو اہمات الاسماء اور

حضرات الاسماء کہتے ہیں۔ اور وہ حیات۔ علم۔ سمع۔ بصر۔ قدرت۔ ارادہ اور

کلام ہیں۔ اور حقیقت و نفس الامر و منشا میں صرف ایک حقیقت الحقائق

و حقیقت حقہ، و ذات واجبہ ہے۔ اسمائے الہیہ نسبتیں و اضافتیں ہیں، جو ایک

ذات حقہ پر وارد و متحدہ اور اُس سے منزوع و موسوم ہوتے ہیں حقیقت حقہ ہی

جو دوم

جو واحد ہے، مقتضی ہے کہ وہ اسم جو غیر متناہی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی بھی ایک حقیقت و طبیعت کلیہ ہو۔ جو دوسرے اسم کی حقیقتوں سے ممتاز اور جدا ہو مثلاً غفار کی ایک جدا حقیقت ہے اور غنیم کی بھی ایک ممتاز حقیقت ہے اور ان دونوں میں جو مشترک ہے مثلاً موجود اس سے یہ دونوں ممتاز و جدا نہیں۔ جس طرح کہ ایک عطیہ دوسرے عطیے سے اپنے تشخص و تعین کی وجہ سے جدا ہے۔ اگرچہ تمام عطایا رحمت الہی سے حاصل ہوئی ہیں۔ جو ان کی ایک ہی اصل ہے ظاہر ہے کہ یہ عطیہ اور ہے اور وہ عطیہ اور ہے۔

عطایا کے امتیاز کا سبب اسمائے الہیہ کا امتیاز ہے چونکہ حضرت اسم اعظم اللہ بہت وسیع ہے، اس لیے کسی تجلی میں تکرار نہیں۔ یہی حق ہے۔ اور قابل اعتماد تحقیق ہے۔

علم اسمائے شریعت علیہ السلام سے متعلق ہے۔ انہی کی روح مبارک تمام ارواح و اشخاص کا ممد و منبع ہے جو علم اسمائے الہیہ میں بحث و کلام کریں مگر یاد رکھو کہ خاتم الانبیاء و الاولیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مواد و امداد صرف اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے اور سب کی روحوں کو آپ کی روح مقدس سے مواد و امداد ملتی ہے۔ تجلیات و عطایا میں سے حضرت ختم ولایت و نبوت صلعم اگرچہ کسی عطیہ خاص کو عدم التفات کی وجہ سے، باقتضائے ترکیب عنصری نہ جانیں۔ مگر آپ اپنی حقیقت اور ابتدا کی طرف توجہ فرماتے ہیں، تو عطایا و اسماء کو ان کی خصوصیات و تعینات کے ساتھ جانتے ہیں، گو کہ بہت عنصری سے نہ جانتے ہوں۔

ذات ختم ولایت و نبوت صلعم عالم بھی ہے۔ نہیں بھی ہے اور قابل انصاف بہ اصداد بھی ہے، جیسے کہ اصل حقیقۃ الحقائق یعنی اللہ تعالیٰ متصف باصداد ہے۔ جلال ہے تو اس کا ہے، جمال ہے تو اس کا ہے۔ وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔ وہی اول ہے، وہی آخر ہے ختم ولایت و نبوت عین حق ہے، باعتبار منشاء اصل حقیقت کے، اور غیر حق بھی ہے، باعتبار انتزاعیت و مفہومیت کے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم بھی رکھتے ہیں۔ نہیں بھی رکھتے ہیں۔ درایت بھی رکھتے ہیں اور نہیں بھی رکھتے ہیں۔ شہود بھی رکھتے ہیں۔ نہیں بھی رکھتے ہیں۔

جوز دوم

جلال اک شان ہے تیری جمال اک شان ہے تیری <sup>احسن</sup> محبت تصویر قدرت ہے کہ جس میں زبردت ہے  
 اسی علم اسمائے الہیہ کی وجہ سے شیث نام رکھا گیا۔ کیونکہ اس لفظ کے  
 معنی ہدیۃ اللہ کے ہیں شیث علیہ السلام کے ائمہ میں مختلف قسم اور نسبتوں  
 کی عطایا کی کلیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے شیث بنا کر  
 دیا، اور آدم کو جو دیا گیا وہ تو خود ان میں سے نکلا تھا۔ کیونکہ الولد سر لا بیہ  
 یعنی بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے عطیہ شیث آدم سے نکلا اور آدم ہی کو پہنچا۔  
 حق شناس و خدا داں کو یہ بات کوئی عجیب و غریب اور انوکھی نہ معلوم ہوگی دنیا  
 میں تمام عطایا اسی طرح سے جاری ہوتے اور ملتے ہیں۔ سب کو خدا ہی سے ملتا ہے  
 کیونکہ وہ اصل اصول اور حقیقت الحقائق ہے۔ اور ہر ایک کو وہی ملتا ہے جو  
 اُس کے نفس میں ہے۔ اور جس کی استعداد اُس کو ہے۔ اگرچہ اس پر کئی صورتیں  
 وارد ہوں، مگر سب اسی کی اور اسی سے پیدا شدہ۔

ہر شخص اس تحقیق سے واقف نہیں۔ اور عطایا الہی کے اس طریقے کو  
 جانتا نہیں۔ جانتے بھی ہیں تو چند اہل اللہ۔ اگر تم ایسے عارف ہو دیکھو تو اُس پر  
 اعتماد کرو، وہ عام اہل اللہ میں سے خاصہ خواص گمان اور علوم صافیہ کا سرچشمہ ہے  
 جو صاحب کشف ایسی صورت کا جو اُس کا عین ہے نہ کہ غیر اور جو اُس کو مشاہدہ  
 پہلے سے معلوم اور اُس کے قبضے میں نہ تھی۔ مشاہدہ کرتا ہے وہ اپنے آپ کو  
 پہلے توڑتا ہے۔ اور ہر صاحب کشف اپنے کسب و عمل اور اپنی استعداد کا  
 ثمرہ پاتا ہے۔

واضح ہو کہ بعض اولیا کی نظر شہود پہلے نصین پر پڑتی ہے۔ وہ سمجھے ہیں کہ  
 عین ثابتہ آئینہ ہے اور اس میں اسمائے الہیہ کا ظہور ہے۔ اور بعض کی نظر  
 وجود حقیقی پر پڑتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ آئینہ وجود میں اعیان ثابت کا ظہور ہوتا ہے  
 جیسے جلادار و معقل شدہ جسم کے مقابل کوئی صورت ظاہر ہوتی ہے، تو کس  
 شخص و عکس جدا جدا ہیں۔ ہرگز نہیں۔ مگر عمل یعنی عالم شہادت یا عالم مثال جس میں وہ  
 شخص دیکھتا ہے اُس صورت کو منکس کر دیتا ہے۔ مگر صورت میں کبھی ایک قسم کا تغیر  
 ہو جاتا ہے۔ یہ تغیر اُس مقام و حضرت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے بڑی چیز کا عکس

چھوٹی چیز میں چھوٹا اور بڑی چیز میں بڑا اور متحرک میں متحرک معلوم ہوتا ہے کبھی متحرک میں متحرک یعنی سر نیچے پیرا پیر۔  
یہ سب اختلافات خصوصیات آئینہ کی وجہ سے ہیں بعض آئینوں میں بالکل ہو ہوا نظر آتا ہے  
اور سیدھا جانب سیدھا بایاں بایاں ہی دکھائی دیتا ہے مگر اکثر آئینوں میں سیدھا بایاں اور بایاں  
سیدھا معلوم ہوتا ہے۔ عام اور عادی آئینوں میں ہی واقع ہوتا ہے اور بہت کم آئینوں میں  
سیدھا سیدھا یا آدمی متحرکوں نظر آتا ہے۔ ان انعکاسات کا مشاہدہ چاہتے ہو تو لافنگ گیالری  
یعنی مضحکہ خیز مقام کو دیکھو یا مراد آبادی اگالڈان الٹ پلٹ کر دیکھو جس حضرت و مقام میں شہود  
ہو رہا ہے یہ اس کا اثر ہے اس مقام کو جس میں مشاہدہ ہو رہا ہے ہم نے بمنزلہ آئینہ کے ٹھہرایا ہے  
بقدر وسع آئینہ ہوا آئینہ گڑب گڑب (حسرت) بنا کر آئینہ خانہ وہی محو تماشا ہے  
جو اپنی استعداد کو سمجھتا ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں کیسی صورت لوں گا۔ مگر یہ ضرور  
ہمیں کہ جو صورت قبول کر لے وہ پہلے ہی سے اپنی استعداد کو جاننا ہو۔ ہاں بعد قبول صورت  
جان ہی لیگا کہ میری استعداد ایسی ہی تھی۔ استعداد کا سمجھنا بھی دو طرح پر ہوتا ہے۔ بعض اجمالاً اور  
بعض تفصیلاً سمجھتے ہیں۔ چونکہ آئینہ جس مسئلے کا ترجمہ کیا جائے گا وہ ایک مشکل مسئلہ ہے۔ لہذا  
اس کے متعلق میں چند تہیدیں مسائل بیان کروں گا تاکہ اصل مسائل کے سمجھنے میں سہولت ہو۔  
یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جو شخص علم و حکمت سے بہرہ ور ہوتا ہے اس کے افعال  
ارادے کے تابع اور ارادہ تابع علم و حکمت اور علم تابع معلوم ہوتا ہے۔ وہ جیسا معلوم ہے ویسا ہی اس کو  
سمجھتا ہے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ معلوم کچھ اور ہے اور وہ سمجھتا کچھ اور ہے۔ کیونکہ خلاف واقعہ  
جاننا جہل مرکب ہے۔ اس کا ارادہ ہمیشہ حکمت پر مبنی ہوگا۔ اس کے افعال مقتضائے حل معلوم  
کے مطابق ہوں گے خلاف حکمت و اقتضائے وقت کام کرنا سفاہت و حماقت ہے۔ بے ارادہ  
کام کرنا جنون یا اضطراب ہے۔

کیا غیر ممکن ممکن امر تحت قدرت حق ہے۔ ہرگز نہیں۔ قدرت صرف ممکن متعلق ہوتی ہے۔  
غیر ممکن سے متعلق نہیں ہوتی غیر ممکن سے قدرت کا متعلق نہ ہونا عجیب نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا ایک  
دوسرے خدا کو پیدا کر سکتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ خدا اول سے پہلے اول پیدا کر سکتا ہے یا آخر  
کے بعد آخر پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سب ادھام باطل ہیں۔

کیا خدا کی ذات مقدرہ خود خدا کے تحت قدرت ہے ہرگز نہیں۔ آدمی خود کشی کر سکتا ہے۔  
کیونکہ اس کا جینا واجب نہیں۔ خدا خود کشی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ واجب الوجود ہے۔ ممکنات

جز دوم

اُس کے تحت قدرت میں نہ کہ واجب۔ وہ ایسا کامل ہے کہ خود اپنے میں نقص نہیں پیدا کر سکتا۔  
خداے تعالیٰ مجتمع جمیع صفات کمالیہ ہے۔ اُس کی صفات کا منشا ذات حق ہے۔ اُس کے اسماء  
عین حق میں عیوب ذات حق میں محال ہیں۔ وہ ناقابل تغیر ہے۔ الان کہا کاں ہے۔

غرض کہ ممکنات اور خود واجب تعالیٰ ناقابل تعلق قدرت ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ بعض

ضعیف عقل اہل نظر نے جب یہ دیکھا کہ یہ مسئلہ مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے فعال لہذا پریدہ۔

تو خداے تعالیٰ پر ایسے امور کو جائز سمجھنے لگے جو منافی حکمت اور خلاف نفس الامر ہوتے ہیں مثلاً ایجاد مثل۔

تغذیب بحق انعام۔ امکان کذب باری تعالیٰ۔ اور امکان خلق اول قبل اول اور امکان خلق آخر

بعد آخر۔ جو ممکنات و محالات میں جن کے پیدا نہ کر سکنے سے عجز لازم نہیں آتا۔ ممکن کے پیدا نہ

کرنے کو عجز کہتے ہیں بعض اہل نظر نے وجوب پر اتنا زور دیا کہ امکان کو اڑا ہی دیا اور صرف وجوب بالذات

و بالغیر کے قائل ہوئے جو اضطراب و مجبوری کے مساوی ہے۔ مگر محقق امکان کا بھی قائل رہتا ہے۔

اور اُس کے محل کا بھی ممکن کو ممکن جان کر واجب بالغیر بھی مانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ

واجب الوجود کس طرح مقتضی امکان بغیریت ہوا۔ اس تفصیل کو صرف عارف باللہ ہی جانتے ہیں۔

نوع انسانی میں جو شخص سب سے آخر پیدا ہو گا وہ قدم شریف علیہ السلام پر ہو گا۔ وہ

عامل اسرار شریف ہو گا۔ اس کے بعد نوع انسانی سے کوئی پیدا نہ ہو گا۔ اور وہی خاتم الاولیا بمعنی آخر الاولیا

ہو گا۔ اور خاتم نبی آدم ہو گا۔ اس کے ساتھ اُس کی توأم بہن پیدا ہو گی۔ وہ پہلے ہی پیدا ہو گی اور

بھائی بعد پیدا ہو گا۔ شکم مادر میں بھائی کا سر بہن کے پیروں کے پاس ہو گا۔ وہ چین میں پیدا

ہو گا۔ اپنے شہر کی بولی بولے گا۔ اُس کے پیدا ہونے کے بعد مردوں اور عورتوں میں عقم

اور بانجھ پن سرایت کرے گا۔ نکاح و جماع تو بہت ہو گا مگر ولادت نہ ہو گی۔ وہ خدا کی طرف تو

بلائے گا۔ مگر اُس کی کوئی نہ سنے گا۔

جب اللہ تعالیٰ اس کو اور اُس کے ہمزمانہ مومنین کی روح قبض فرمائے گا تو

باقی لوگ مثل بہائم کے رہ جائیں گے نہ حلال کو حلال سمجھیں گے نہ حرام کو حرام۔

خواہش نفسانی و شہوت طبعی کے موافق کام کریں گے۔ ان کے کام عقل و شرع کے

منافی ہوں گے۔ انھی لوگوں پر قیامت قائم ہو گی۔



توضیح

فصل الحکم

جز و سوم

(۳) فصل نویسی

22

# فص نوحیہ تمہید

فقیر مترجم اس فص کے ترجمے سے پہلے چند مسائل کی توضیح کر دیتا ہے۔ جس سے شیخ کا کلام سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ اس فص میں حادث و قدیم عبد ورب میں جو ربط ہے۔ بیان کیا گیا ہے۔  
تشریح :- ذات حق سبحانہ کو تمام قیود، تمام نقائص امکانیہ و عیوب مخلوقات سے پاک سمجھنا۔

تشبیہ :- اس سے مراد کبھی مخلوقات و ممکنات لیتے ہیں اور تشبیہ کے معنی عبد ورب کے لیتے ہیں۔ کبھی تشبیہ کے معنی بندوں کی طرح خدائے تعالیٰ کو محدود و محل عیوب و نقائص سے سمجھنا۔ کبھی تشبیہ کے معنی عالم مثال میں، کسی ایسی شے کا جس کی حقیقت صورت سے پاک ہو، بتوسط صورت کے ظاہر ہونا۔ مثلاً حضرت ختم رسالت نے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا۔ یا مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کو دیکھو۔ کہ محبت، شفقت، رحم، غضب، انتقام وغیرہ کو جو اپنی حقیقت کی وجہ سے بے صورت ہیں مگر مصوران کو تصاویر کے ذریعے دکھاتے ہیں۔

عبد ورب میں کیا رابطہ ہے، اس کے متعلق لوگوں کی مختلف رائے  
و خیال ہیں۔ چند اہم رائیں اور خیالات یہاں بیان کیے جاتے ہیں:-

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں چند چیزیں ہیں۔ مہیولی، درخت،  
زمان اور مکان۔ زمان و مکان کے لحاظ سے مہیولی پر صورتیں آتی ہیں۔ مہیولی کی  
مختلف حالتیں ہیں۔ ان کے منجملہ علم و قدرت ہیں۔ بھلا یہ تو بولودنسیا میں  
صورتوں کے وارد ہونے کا کوئی نظام، کوئی سسٹم، کوئی قوانین و خطرت۔ اور ان میں  
کوئی ترتیب، کوئی باقاعدگی بھی ہے یا دنیا یونہی بغیر رابطہ کے، علت و معلول کے،  
بغیر کسی ہم آہنگی کے چل رہی ہے۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر کام کا ایک خدا جدا ہے۔ ان میں بعض نہ  
ہوتے ہیں ان کو دیتا کہتے ہیں۔ اور بعض مادہ ان کو دیتی کہتے ہیں۔ ان کے  
اجتماع سے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ کوئی  
نیا کام نئی حالت نہیں پیدا ہوتی جب تک پہلے کام کے خدا کو شکست اور  
نئے کام کے خدا کو فتح نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی نظر نہ عالم نظام پر پڑتی ہے نہ  
اتقان صنعت الہی پر۔ ان کے پاس دنیا کیا ہے؟ درندوں یا وحشیوں کا ایک  
جنگل ہے۔ سچ پوچھو تو یہ لوگ خدا کے معنی ہی نہیں سمجھتے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَہٗ  
کُفُوًا أَحَدٌ۔

۳۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالم کیا ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
علم کا فیضان ہے، کہ ہو رہا ہے۔ اچھا تم ہو کون؟ اور تم میں اور خدا میں کچھ رابطہ  
بھی یا نہیں۔ تم بذاتہ قائم ہو یا کسی پر تمہارا قیام ہے۔

۴۔ بعض لوگ کہتے ہیں، صرف ایک مادہ ہے۔ اس کے تمام ظہورات ہیں۔  
آخر مادے کی تعریف کیا ہے؟ طبیعیات میں تو مادے کے یہ خواص بتائے جاتے  
ہیں۔ استمرار یعنی ساکن ہے تو ہمیشہ ساکن، جب تک کوئی متحرک نہ کرے۔ متحرک تو  
ہمیشہ متحرک، جب تک کوئی ساکن نہ کرے۔ تجر، جگہ گھیرنا تقسیم قبول کرنا وغیرہ۔  
کیا مادہ کی صفت ارادہ بھی ہے۔ کیا مادہ حرکت بالارادہ بھی کرتا ہے۔

حرکت بالارادہ تو مادے کی صفت ہی نہیں۔ نہ اُس کی شان سے علم ہے۔ ہم کو تو علم ہے۔ ارادہ ہے۔ ہم بالارادہ حرکت کرتے ہیں۔ شاید تم تن بے جان ہو۔ ہم زندہ ہیں اور علم بھی رکھتے ہیں۔ تمہارے خیال میں نہ تم زندہ ہو نہ صاحب علم۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام عالم کے مجموعے کا نام خدا ہے عالم شہادت بمنزلہ تن ہے۔ اور عالم ارواح بمنزلہ روح ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز فنا ہو جائے، تو کیا خدا میں سے کچھ کم ہو جاتا ہے کل شیئی ہا للہ الا وجہہ۔ خدائے تعالیٰ وجود بالذات ہے۔ ناقابل فنا ہے۔ وہ آں کماکان ہے۔ ناقابل تغیر ہے۔ وہ کامل ہے۔ ناقص میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ یہ اہل محسم ہیں۔ ان کو مجتہد کہتے ہیں۔

۶۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ تمام مخلوقات سے جدا ہے۔ عرش پر بیٹھا ہوا ہے وہیں سے اُن کا تماشا دیکھتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کے لیے تمام اعضاء و لوازم بشری ثابت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عالم مثال سے واقف نہیں۔ شان احدیت۔ بیچونی۔ تنزیہ کو جانتے ہی نہیں۔ یہ اہل تشبیہ ہیں۔ ان میں سے ایک کو مُشَبَّہ کہتے ہیں۔ کیا عبد و رب میں کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ تعلق ہے تو کیا دونوں عین اور ایک ہیں؟ عین اور ایک ہیں تو ایک قدیم اور ایک حادث کیسا؟ اس الجھن کے سلجھانے میں ہر ایک نے حتی المقدور کوشش کی۔ مگر اُس کی معرفت میں جاہل کو بھی حیرت ہے اور عارف کو بھی حیرت ہے۔

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے؟ نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے بعض تو سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ کُن فرما کر تمام مخلوقات کو نیست سے ہست کر دیا۔ رب الگ ہے اور عبد الگ۔ رب قدیم ہے، بالذات موجود ہے۔ بندہ حادث ہے، اُس کا وجود بالعرض ہے۔ کُن کا مخا طیب کون تھا؟ تاویل، وفي النفس کون تاویل اینما قولوا فاشم وجہ اللہ تاویل وہو معکم تاویل۔ جو بات سمجھ میں نہیں آئی جس کی توجیہ نہ کر سکے۔ تاویل۔ یہ طریقہ معتزلیوں کا ہے ماتریدی و اشعری بھی اُس کے قریب قریب ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے صفات وجودی ہیں۔ موجود ہیں۔

ہر صفت کے مقابل ایک عدم ہے۔ مثلاً حیات کے مقابل موت۔ علم کے مقابل جہل۔ سمع کے مقابل صمم (بہرا پن)۔ بصر کے مقابل عمی (نا بینائی)۔ قدرت کے مقابل عجز۔ ارادے کے مقابل مجبوری یا بے ارادتی۔ کلام کے مقابل بکم (گو نگاہین) کھٹی ذرا غور کرے، یہ اعدام کیا عدم محض ہیں یا عدم ثابت نہیں۔ عدم محض اور تجلی گاہ اسماء و صفات الہی۔ ثبوت شئی لشیئی فرع ثبوت مثبت لہ پہلے کوئی شے ہوگی، تو اس کے لیے کوئی دوسری شے ثابت کی جائے گی، وہ تجلی گاہ ہوگی۔ عدم ثابت ہے، تو اس کا قیام کس پر ہے۔ کیا متنع پر، یا واجب تعالیٰ پر؟ ان سوالات کے جوابات پر اس مذہب کا قیام ہو سکتا ہے۔ ثَلَبْتُ الْعَرْشَ ثَمَّ النُّقْشِ۔ پہلے تخت تو ثابت کرو۔ پھر اس پر نقش و نگار کرنا۔ صوفیہ وجودیہ کا مذہب ہے کہ وجود کے دو معنی ہیں۔

(۱) وجود بمعنی کون جھول۔ یہ ایک مصدری معنی ہے۔ ہونا۔ بولنا۔  
(۲) وہ چیز جس کو دیکھ کر ہے کہتے ہیں۔ وہ منشا کے متزع عند واقع ہوتا ہے، کون و حصول کا۔ یعنی خارج میں کوئی چیز ہے جس کو دیکھ کر ہم "ہے" کہتے ہیں۔ مثلاً اگر خارج میں زید نہ ہو اور ہم کہیں "زید" ہے۔ تو چونکہ یہ ایک بے منشا، خلاف واقعہ بات ہے، لہذا غلط ہے۔ زید ہے، بکر ہے، خالد ہے۔ ان سب میں "ہے" مشترک ہے۔ لہذا ان تینوں میں "ہے" کا منشا بھی مشترک ہے۔ اسی طرح تمام چیزوں میں "ہے" کا منشا اور واقع مشترک ہے۔ اسی کو ہم وجود بمعنی ماہ الوجودیہ کہتے ہیں۔

اب کہو۔ وجود بمعنی ماہ الوجودیہ، جو حقیقی وجود ہے، اس کے مقابل کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ جو ہے، وجود کی ایک صورت، اور اس کا ایک تعین ہے۔ کیا وجود کے مقابل عدم ہو سکتا ہے؟ بھلا عدم کیونکر ہوگا۔ اگر عدم محض موجود ہو تو انقلاب ماہیت یا اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ وجود حقیقی بذاتہ موجود ہوگا۔ یا اس کو کوئی دوسرا موجود کرے گا یا وہ دوسری شے سے متزع سمجھا جائے گا۔ اگر وجود حقیقی کو کوئی دوسرا موجود کرے یا دوسری شے سے وجود حقیقی متزع ہو تو وہ دوسری شے ہی وجود حقیقی ہوگی۔ اور یہ وجود بالغیر اور وجود بالعرض اور وجود غیر حقیقی ہو جائے گا۔

اور یہ خلاف فرض اور اجتماع نقیضین ہے۔ کیا وجود حقیقی سے پہلے عدم یا  
بعد عدم ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ورنہ انقلاب حقایق لازم آئے گا دوسرے  
وجودات کس سے رونما ہیں۔ وجود حقیقی سے مابہ الموجودیہ سے۔  
بتاؤ جو شے سب کی اصل ہو، ایک ہو، حقیقی وجود ہو، بالذات موجود ہو۔  
کسی کا محتاج نہ ہو۔ ازلی، ابدی ہو جس کی ساحت عزت تک عدم کو قدم نہ ہو۔  
تمام موجودات کا مرجع و آب ہو کسی سے پیدا نہ ہو۔ نہ اُس کے برابر کوئی پیدا  
ہو سکے۔ اُس کا کوئی نہ ضد ہو نہ مد مقابل ہو۔ وہ ہے کیا؟ لاریب۔ وہ واجب الوجود ہے۔  
غنیع الجود ہے۔ حق معبود ہے۔ قیل هو الله احد الله الصمد لم یلد ولم یولد  
ولم یکن له کفو احد۔

اور سنو! ممکنات، جائزات، مخلوقات کا وجود کیا ان کے عین ذات ہے۔  
یا اُن کی ذوات کو لازم ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر وجود، ذوات ممکنہ کا عین یا اُن کا  
لازم ہوتا تو ان وجوہ سے جدا و منفک نہ ہوتا۔ کیونکہ شے سے اُس کی ذات و ذاتیات  
اور لوازم بھی چھوٹ نہیں سکتے۔ منفک نہیں ہو سکتے۔ پس جب وجود ذات ممکن کو  
لازم نہیں اور ممکن، موجود بالذات نہیں، تو ضرور ایک ایسی ذات بھی ہوگی جس کا  
وجود عین ذات ہو۔ اور وہ واجب الوجود بالذات ہو۔ اور ممکنات کو اپنے  
وجود سے واجب بالذات بنائے۔

وجود حقیقی کے دو تعین ہیں۔ ایک تعین و تشخص ذاتی، جو الان کماکان ہے۔  
دوم تعین و تشخص باعتبار اسما و صفات کے۔ اس کے لحاظ سے اس کے کئی  
مراتب ہیں۔ مرتبہ داخلی۔ مرتبہ خارجی۔ مرتبہ داخلی کن فیکون“ سے پہلے ہے۔  
لہذا یہاں مخلوقات کو دخل نہیں۔ اور نہ یہاں متعدد ذوات، موجود فی الخارج  
ہیں۔ مرتبہ خارجی کن کے بعد ہے۔ یہ مرتبہ مخلوقات، موجودات بالعرض،  
حوادث کا ہے۔

واضح ہو کہ ترکیب و اجتماع صفات الہیہ سے نسبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان  
نسبتوں کو در اعتبار لاحق ہوتے ہیں۔

(۱) نسبت و ترکیب سے ایک حقیقت و ماہیت و طبیعت کا

جز سوم

نہ معلوم ہونا، حقیقت ممکنہ اور عین ثابت کہلاتا ہے۔

(۲) خودیہ نسبت و ترکیب جس پر حقیقت ممکنہ کا قیام ہے حقیقت الہیہ اور اسم الہی کہلاتی ہے جب اس حقیقت و عین ممکنہ کے مطابق نسبت الہیہ یا اسم خاص کا ظہور ہوتا ہے تو یہ اعتباری یا بالعرض شے عین ثابت کہلاتی ہے اور اس پر آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً پانی ایک حقیقت اعتباری اور موجود بالعرض شے ہے۔ پانی کا قیام ہائیڈروجن و آکسیجن کی نسبت خاصہ پر ہوتا ہے یعنی دو حصے ہائیڈروجن و آکسیجن کے ایک حصے کے ساتھ ترکیب کھاتی ہے۔ کیمیا داں ہائیڈروجن و آکسیجن کی مختلف نسبتوں سے پیدا ہونے والے مختلف حقائق کو جانتا ہے۔ مثلاً پانی۔ ہائیڈروجن پر آکسائیڈ وغیرہ۔

یہ عین ثابتہ مخلوقات و حقائق ممکنہ کی مثال ہے اور یہ نسبتیں جن پر حقائق ممکنہ کا قیام ہے حقیقت الہیہ یا اسم خاص یا تجلی خاص کی مثال ہے جب کیمیا داں پانی کی حقیقت کے مطابق دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ملا دے تو پانی جو خیالی اور علمی چیز تھی حقیقی واقعہ شے ہو جائے گی۔ اور اس وقت اس کو خارجی پانی نہیں گے۔ اور اس وقت پیاس بجھانے والوں کو سرسبز کھینے کی صفت اس کی طرف رجوع ہو جائے گی۔ دیکھو۔ کیمیا داں کے علم میں پانی کی حقیقت ہے۔ پانی میں ہائیڈروجن و آکسیجن کی جمعی نسبت ۱:۸ کی ہے خارج میں آکسیجن و ہائیڈروجن میں جن سے پانی بھی خارجی شے معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے اسمانے الہیہ کی مثال ہائیڈروجن و آکسیجن میں۔ ان میں کی باہمی نسبت اسم خاص یا حقیقت الہیہ کی مثال ہے۔ پانی خارجی کی مثال ہے۔ دیکھو اظہار میں پانی معلوم ہوتا ہے جس کا قیام نسبتاً خاصہ آکسیجن و ہائیڈروجن پر ہے۔ خودیہ نسبت ہائیڈروجن و آکسیجن سے قائم ہے۔

کیا پانی یقینی شے ہے؟ عامۃ الناس کہیں گے بیشک یقینی شے ہے ہم اس کو پیتے ہیں۔ ضرور تو اس میں اسماں لگتے ہیں۔ کیمیا داں سے پوچھو۔ وہ کہتا ہے کہ یقینی شے صرف ہائیڈروجن و آکسیجن ہے۔ فلاسفر سے پوچھو۔ وہ کہتا ہے مادہ ہے یہودی سے پوچھو وہ کہتا ہے اسمانے الہیہ میں۔

وجودی سے پوچھو! وہ کہتا ہے۔ صرف ذات حق ہے۔ اللہ اللہ۔ غیر صلا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ ٹائیڈ روجن و آکسیجن اور پانی میں کون معقول اور علمی شے ہے؟ اور کون مشہود و محسوس؟ ظاہر ہے کہ پانی ایک منبأ نشی و انتزاعی شے ہے۔ اور ٹائیڈ روجن و آکسیجن حقیقی خارجی اشیا ہیں۔ لہذا پانی معقول اور اس کے عناصر محسوس ہیں۔ اسی طرح مخلوقات معقول ہیں اور اسمائے الہیہ محسوس۔ غور کرو تو اسمائے الہیہ بھی انتزاعی و معقول اور سمجھنے کی بات ہیں۔ اور حق محسوس و مشہود ہے۔ مگر ہماری نظر پر غفلت کا پردہ پر کیا ہے کہ معقول کو محسوس اور محسوس کو غیر مشہود سمجھتے ہیں۔ اللہم آرینا حقایق الاشیاء کما هی۔

یہاں ایک لطیفہ ہے کہ وجود حقیقی بے کیف و بے رنگ ہے اور بے بطن و چگونہ ہے۔ مگر سب کے خارج میں۔ اور ایک ہے۔ لہذا جو صورت اس میں نمایاں ہوگی، خارج میں معلوم ہوگی۔ بعض پرندے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ آئینے میں کوئی پرندہ ہے۔ اور اس سے لڑتے ہیں۔ بعض بچے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی بچہ ہے اور اس کو پیار کرتے ہیں بعض ہوشیار بچے آئینے میں دیکھتے رہتے ہیں۔ جب کوئی ان کے پیچھے آکر اپنا عکس آئینے میں ڈالتا ہے، تو پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آئینے کی یہ صورت نہیں صورت کسی اور جگہ سے آرہی ہے۔ یہی حال نادان کا ہے کہ کسی صورت کو وجود خارجی میں دیکھتا ہے، تو سمجھتا ہے کہ صورت موجود وجود خارجی ہے۔ مگر عارف سمجھتا ہے کہ صورت موجود فی الخارج نہیں۔ بلکہ وہ علم الہی سے آئی ہے۔ بلکہ علم ہی میں ہے۔ اور خارج میں صرف وجود خارجی ہے۔ تماشا یہ ہے، کہ میں اپنے آپ کو دیکھ نہیں سکتا۔ نہ خود آئینے کو دیکھ سکتا ہوں۔ اگر آئینہ نظر آجائے تو وہ آئینہ ہی نہیں ہے۔ ایک شیشے کا ٹکڑا ہے۔ غرض کہ حقیقت یہ ہے کہ اول آئینہ نظر آتا ہے پھر اس کے توسط سے صورت نظر آتی ہے۔ مگر وہ رے آئینے تو نظر آتا ہے اور پھر نظر نہیں آتا۔ یہ کیا؟ یا وجود۔ و وجود الوجود۔ انت الموجود۔ وانت المعبود۔ وانت المشہود۔ و ما سواک معد و مر و منقود۔

جونہ ہوا اسی کی نمود ہو، نہ نمود اصل وجود ہو، حضرت صدیقیؒ کوئی کیا بتائے کمال جو ہے خیال شعبہ بازی

جز دوم

خود بنائاں اور عیاں اُس سے نہا نہائے جہاں <sup>دستِ مدہی</sup> فیرت الیہ ہے پیدائی کا پوسال ہو،  
 ذوقِ اسلامیہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جو وجہِ دلائل استقامت کے تحت  
 نہ سمجھتا ہو۔ ان میں سے بعض لوگ ان آیات کو جو تشبیہ و تلمیح کے تحت  
 امتناعاً داد اللہ کہ کر خاموش ہو جاتے ہیں بعض لوگ ان آیات کو آیات  
 والفاظِ قرآنی کے ایسے معنی لیتے ہیں جو حقیقی معنی نہیں ہوتے۔ بلکہ جانی ہوتے ہیں  
 سو فہم کے پاس جب موجودیِ بھقت حق تعالیٰ ہی ہے اور وجود حقیقی کے مراتب  
 ہیں تو ہر ایک حکم اپنے موقع و مرتبے پر ثابت ہے۔ نیز یہ اپنے مقامِ حق ہے نہ تو  
 تشبیہ اپنے محل پر ثابت ہے۔

اے بڑے گماں کہ صاحبِ تحقیقی <sup>اند صفت مدق وایتیں مدہ یقی</sup>  
 ہر مرتبہ از وجودِ حقیقی کے دارد <sup>اجای مدہ یقی</sup> گر غلطِ مراتب نہ ہی زندانی  
 وجودیوں میں بھی بعض تا خیال ہے کہ خود حق تعالیٰ اپنے تعینات میں  
 نمایاں ہوتا ہے۔ حق کو تعینات اعیان ثابۃ کے متعلق رہا بہت و عیانت کے  
 تقابل سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان کا قول ہے ہمہ اوست ہے

ہر سایہ رہا شمسین و ہر رہبر ہر اوست <sup>راہی</sup> رہا خلق گدازد اہلسن شہید اوست  
 و ہر انجمن فرقہ و نہاں خسانہ <sup>راہی</sup> و ہر ہر اوست شہید ہر مانہ ہر اوست  
 ہر اوست متعلق ہے یہ دنیا ہر اوست <sup>راہی</sup> ہر اوست ہر اوست ہر اوست  
 نیز بھی اشکال ہے یہ نگہ مراد <sup>راہی</sup> ہر اوست ہر اوست ہر اوست  
 بے وجہ نہیں دل کشی صورتِ باطل <sup>راہی</sup> ہر اوست ہر اوست ہر اوست

بعض وجودیوں کا خیال ہے کہ معلوماتِ الہیہ یا اعیانِ ثابۃ پر  
 اسمائے الہیہ کا پر تو پڑتا ہے، تو موجوداتِ خارجیہ پیدا ہوتے ہیں۔ یا لوگ کہہ کہ  
 علم و قدرت کے اجتماع سے ایک تیسری چیز جنی وجود خارجی پیدا ہوتا ہے۔  
 ان کے خیال میں دنیا علم الہی کا ایک تماشا ہے۔ اور اہل دنیا خیالی پتلی ہیں  
 جن میں سے صفات و اسمائے الہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی  
 ذات حق سے جدا اور اس سے باہر نہیں۔ تمام صورتِ موجود بالعرض حادث مخلوق ہیں۔

ان علمی پتلوں کے احکام ذات عالم و حقیقت حقہ پر نہیں لگتے۔ اور ان کے تغیر سے ذات عالم و ذات حقہ میں تغیر لازم نہیں آتا۔ عالم جوں کا توں رہتا ہے۔ مری بود ہی کی نمود ہے حقیقت اور مجاز میں میں دکھا کے لاکھوں نمایشیں ہوں ہنوز پردہ راز میں جو نہ ہو اسی کی نمود ہو نہ نمود اصل وجود ہو <sup>حشر</sup> <sup>سیکھائی</sup> کیا بتائے کمال جو ہے خیال شعبہ باریں نمود جنبش نوک قلم میں ساری تحریریں <sup>(حشر صدیقی)</sup> عوالم کیا ہیں علم ذات کی ہیں چند تفسیریں تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں ان سب مسائل کی تحقیق و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ "حکمت اسلامیہ" اور رسالہ "بذل المجہود" فی تحقیق الوجود اور مضامین ایک "میرا خیال" عینیت و غیریت اور عبدیت۔

اس تمہید کے بعد اب فقیر مترجم، فصل حکمت ستوحیہ کے ترجمے کی طرف توجہ کرتا ہے۔

واضح ہو کہ تنزیہ محض اہل حقائق یعنی صوفیہ صافیہ کے پاس عین تحدید اور تفسید ہے۔ کیونکہ وجود حقیقی کو تنزیہ سے مقید کرنا ہے کہ وہ تشبیہ میں نمایاں نہیں ہو سکتا۔ تنزیہ محض کرنے والا یا تو جاہل ہے یا بے ادب۔ کیونکہ شریعت و قرآن و کتاب اللہ کا معتقد اور ان پر ایمان رکھنے والا، اگر تنزیہ محض کرے اور تنزیہ کے پاس ٹھیر جائے۔ اور اُس کی رائے اُس کے یعنی تنزیہ کے سوائے نہ ہو۔ اور وہ تشبیہ کا قائل نہ ہو، تو وہ سوئے ادب کا مرتکب اور حق تعالیٰ اور رسل صلوات اللہ علیہم کی اپنی بے شعوری کی وجہ سے تکذیب اور مخالفت کرتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کو تحقیقات سے کچھ حصہ ملا ہے۔ حالانکہ اُس سے بہت کچھ فوت ہو گیا ہے۔ وہ تو ایسا ہو گیا، جیسے کہ امن ببعض و کفر ببعض۔ یعنی بعض آیات پر ایمان لاتا ہے اور بعض سے کفر کرتا ہے۔ قرآن شریف میں تنزیہ کے لیے اگر لیس کھمبہ لکھی۔ اُس کے جیسی کوئی شے نہیں۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کی اولاد ہے نہ ماں باپ۔ تعالیٰ اللہ عما یصفون۔ خدا اس سے بہت بلند ہے جن صفات سے کہ یہ بیان کرتے ہیں۔ ہے تو تشبیہ کے لیے آیات ذیل بھی ہیں۔ وہو معکم اینما کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں رہو۔



حاصل ہونا محال ہے، تو خدائے تعالیٰ کی حد اور تعریف کرنا بھی محال اور ناممکن ہے۔ جو تشبیہ محض کا قائل ہے اور تنزیہ نہیں کرتا ہو، وہ صاحب تجسیم یعنی خدائے تعالیٰ کو صاحب جسم سمجھتا ہے۔ اور وہ ”فرقہ مجسمہ“ سے ہے۔ وہ حق تعالیٰ کو مقید اور محدود سمجھتا ہے۔ اس کو حق تعالیٰ کی معرفت ہے ہی نہیں جو عرفان حق میں تنزیہ و تشبیہ دونوں کا قائل ہے اس کو اجمالاً کچھ معرفت نصیب ہوئی تفصیلاً کیونکر معرفت نصیب ہوگی۔ جبکہ عالم کے غیر متناہی، لامحدود صورت کا احاطہ ناممکن ہے انسان خود اپنے نفس کو جانتا ہے، تو اجمالاً ہی جانتا ہے۔ تفصیلاً کب جانتا ہے؟ یہی تو وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معرفت حق کو معرفت نفس سے مرتبط کیا ہے۔ اور من عرف نفسه فقد عرف ربه فرمایا۔ جس نے خود کو جانا تو خدا کو جانا ہے۔

خود نہیں ہے خدا، فہمی (حسرت مدیقی) خود میں ستر حقیقت ہے  
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تم کو اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے۔ یہاں آفاق سے مراد وہ شے ہے جو تم سے باہر ہو و فی انفسہم اور ان کے انفس میں۔ انفس سے مراد تمہاری ذات تمہارا عین ہے حتیٰ یتبین لہم تاکہ ان کو یعنی ناظرین کو ظاہر ہو جائے کہ وہی موجود حقیقی ہے۔ اس لحاظ سے کہ تم اُس کی صورت ہو اور وہ تمہاری روح ہے۔ روح الارواح ہے۔ سرالاسرار ہے۔ تم ذات حق کے لیے ایسے ہو جیسے تمہاری جسمانی صورت تمہارے لیے۔ اور حق تعالیٰ تمہارے لیے اس طرح ہے جس طرح تمہاری روح جو ہر بدن ہے۔ تمہارے بدن اور جسد کی صورت کے لیے۔ تمہارے جاننے میں تمہارے ظاہر و باطن کا جاننا شامل ہے۔ جب روح ہر بدن سے نکل جائے اور خالی تن رہ جائے، تو انسان کہاں رہا۔ اُس تن بجان کو اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُس کی صورت انسان کی صورت سے مشابہ ہے۔ اس گوشت پوست کی صورت اور لکڑی یا پتھر کی صورت میں کیا فرق ہے۔ اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ مگر بطور مجاز کے۔ نہ کہ بطور حقیقت کے جسم انسانی روح انسانی سے جدا ہو جاتا ہے۔ مگر صورت عالم ممکن نہیں کہ ذات حق سے جدا ہوں۔

الوہیت حق عالم کے لیے بالحقیقت ہے نہ کہ مجاز جیسے تعریف انسان بحالت حیات

تعلیف حقیقی ہے کہ اول میں حال میں روح و جسم و دس شے جو ہیں مرنے والے  
 لی ظاہر میں صورت یعنی جسمانی بال حال سے ان روح و جسمانی شے  
 و تعلیف کرتی ہے۔ ایسے ہی شے جو ان سے جو جسم و جسمانی شے جو  
 کڑیں لڑھم میں کو نہیں سمجھتے کیونکہ ہم عام شے کو دیکھ کر سمجھیں کہ  
 سب حق کی زبانیں میں جو حق کی شایں گویا ہیں اسی کے دریا حلال  
 رب العالمین میں عامیت یعنی ہر شے کی محمودیت شے کی ہر شے کی محمودیت  
 اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ بِالذِّنِّ لَيْسَتْ مُقْتَدِرَةٌ أَنْ تَمُوتَ بِمَحْضٍ لَمْ تَمُوتْ  
 تم حق تعالیٰ کو حق کر دو گے۔  
 وَإِنْ قُلْتَ بِالذِّنِّ لَيْسَتْ مُقْتَدِرَةٌ أَنْ تَمُوتَ بِمَحْضٍ لَمْ تَمُوتْ  
 حق تعالیٰ کو محدود کر دو گے۔

وَإِنْ قُلْتَ بِالذِّنِّ لَيْسَتْ مُقْتَدِرَةٌ أَنْ تَمُوتَ بِمَحْضٍ لَمْ تَمُوتْ  
 اگر تم تنہا و تنہا دون کے حال ہو گے تو سب وہ شے جو  
 محض قال یہ شے جو محض حیا محض حیا محض حیا  
 بالحق جدا سمجھو گے تو تم ترک فی الرحمہ کرو گے۔  
 وَمَنْ قَالَ بِالذِّنِّ لَيْسَتْ مُقْتَدِرَةٌ أَنْ تَمُوتَ بِمَحْضٍ لَمْ تَمُوتْ  
 لیکن اسے میں ایک بار سمجھو گے، ورنہ میں کہوں کہ حق تعالیٰ  
 قَائِلٌ وَشَيْءٌ إِنَّ كُنْتَ مُقْتَدِرًا  
 وَأَيُّكَ وَشَيْءٌ إِنَّ كُنْتَ مُقْتَدِرًا  
 تشبیہ محض سے چاروں کے تال جو خیر سے چاروں کے تال  
 قائل ہو۔

مَعَانِيَتْ هُوَ مَا أَنْتَ هُوَ وَتَرَاوُفِي  
 عَنْ الْمَوْرِ مُسْتَرَحًا وَمُقْتَدِرًا  
 تم اس کے میں جس پر وہ مبارک نام و اعطام و عطا کے کہ تم اس سے  
 میں جو بلحاظ وجود حقیقی کے اس کو اس کے حق تعالیٰ میں تو مہر شے

عین دیکھو گے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے لیس کے مثلہ شی کا ف زائد یعنی لیس مثلہ شی جزو سوم  
اس کے جیسا کوئی نہیں۔ پس یہ تنزیہ ہے وہو السميع البصير۔ وہ سب کچھ  
سنتا اور دیکھتا ہے۔ یہ تشبیہ ہے۔ کیونکہ سنتا اور دیکھنا بندوں کی صفت کے مشابہ ہے۔  
قال تعالیٰ لیس کے مثلہ شی کا ف زائد نہیں۔ اُس کے خلیفہ انسان کامل کے عیا  
کوئی نہیں۔ اس میں تشبیہ بھی ہے اور دوئی بھی ہے۔

اُس کی تصویر کے سوا حسرت کوئی ویسا نظر نہیں آتا

وہو السميع العلیر خبر پر لام ہے جس سے حصر کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ وہی  
سنتا ہے اور وہی جانتا ہے۔ اس سے تنزیہ اور افراد و توحید و یکی ثابت ہوتی ہے۔  
اب میں تفسیر و اعتبار کا فرق بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ شیخ عزلی اور دیگر  
شیوخ اکثر آیات قرآنی کو ایسے معانی پر ڈھالتے ہیں جو قرآن شریف کے سیاق و سباق  
کے موافق نہیں۔ اور علما اُن پر اعتراض کرتے ہیں۔

اعتبار۔ گزر جانا۔ عبرت لینا۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ہر شے سے  
ہر قول سے ہر واقعے سے عبرت لینا، نصیحت پکڑنا، متاثر ہونا۔ اُس کو اپنے پر  
ڈھال لینا۔ وہ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں۔ اور ہر ایک آیت کو اپنے آپ پر  
منطبق کرتے جاتے ہیں۔ شیطان، کفار اور دوسروں کے بُرے حالات کو اپنے  
نفسِ آمارہ پر منطبق کرتے ہیں۔ پیغمبروں کا ذکر سنتے ہیں اور نفسِ لوامہ کو مراد لیتے ہیں  
قلبِ سلیم کا ارادہ کرتے ہیں۔ لیلیٰ و مجنوں کا شعر سنتے ہیں۔ لیلیٰ سے محبوب حقیقی  
کی طرف جاتے ہیں، اور مجنوں سے اپنے آپ کو مراد لیتے ہیں۔ جہاں شراب کا  
ذکر آیا، انھوں نے محبت مراد لی۔ ملا نور الدین عبد الرحمن جامی نے شیخ عمر بن فارض بکری  
کے قصیدہ تائید کی شرح کی ہے۔ اور اُس میں اعتبار ہی کو دکھلایا ہے خواجہ شمس الدین حافظ  
کے دیوان کی شرح بعض حضرات نے کی ہے۔ اور تمام اعتبارات سے بھر دیا ہے۔  
بلکہ حافظ کے اشعار کے لفظی معنی کوئی نہیں لیتا۔ لوگوں نے اعتبارات پر کتابیں  
لکھی ہیں۔ چند الفاظ کے اعتبار یہاں لکھتا ہوں۔ جس سے اُن کا مقصد ظاہر  
ہو جائے۔

تہذیب

میکدہ - خالقانہ - شرابِ محبت - پیرمخال - شیخِ کامل - گیسو - شانِ احدیت -  
 اشارہ ابرو - الہام - ہاتھ غیبی - بت - محبوبِ حقیقی - خنجرانہ - مقامِ عشق و محبت -  
 صاحبِ عقل - محبوبِ مست - عاشق - رنگ - ظہور ذات و صفات و افعال -  
 قتل - فتائیت - صبح - ببط - شامِ قبض - صبا - نفحاتِ رحمانیہ - کیمیا - نظیر  
 و توجہ شیخِ کامل - کافرِ غیرت محض کا منکر - نفسِ امارہ -

غرض اس قسم کے اُن کے محاورے ہیں۔ ان کے نہ سمجھنے سے پریشانی  
 ہوتی ہے۔ شیخِ عربی نے اسی لیے فتوحات کے شروع میں اپنے عقائد بیان  
 کر دیے ہیں تاکہ اس قرینے سے اُن کے کلام کی تاویل کی جائے۔ اور حقیقی و لفظی  
 معنی مراد نہ لیے جائیں۔ یہاں نوح سے مراد تنزیہ محض ہے۔ اور تھوڑی سی مراد  
 جامع تنزیہ و تشبیہ ہے۔

یہ بات یاد رکھو کہ اعتبار میں ضرور نہیں کہ پورا قصہ منطبق ہو جائے۔ بعض  
 حصے سے بھی اعتبار لیا جاتا ہے۔ گو بعض دوسرا حصہ اعتبار کے ناموافق ہی ہو۔  
 یہ تفسیر تو ہے ہی نہیں کہ ماقبل و مابعد سب مرتبط ہوں۔

یہ بھی معلوم رہے کہ جس قدر اعتبار آیات قرآنیہ سے لیا جاسکتا ہے  
 کسی اور کلام سے نہیں لیا جاسکتا۔

تفسیریں: تفسیر تو وہ معنی ہیں جو الفاظ سے نکل رہے ہیں۔ سیاق و سباق  
 اگلی پھلی عبارتیں اُس پر دلالت کرتی ہیں۔ زبان کا محاورہ اُس کی تائید کرتا ہے۔  
 شانِ نزول اور غرضِ مشکلم اُس کی مدد کرتی ہے۔ یہ بات اعتبار میں نہیں ہوتی۔

اگر نوح یعنی عقل منزہ یعنی قائل تنزیہ اپنی قوم (خطرات و خیالات کو)  
 تنزیہ و تشبیہ دونوں کی طرف دعوت دیتے تو ان کی قوم (خطرات و خیالات) کو  
 اللہ کی ہدایت و دعوت قبول کر لینا دشوار نہ ہوتا۔ قَالَ لِقَوْمِی اِنِّیْ لَمِّنْ ذُرِّیَّتِیْ مُبِیْنٌ  
 اَنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ وَ اَتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْهُ ۚ یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُؤَخِّرْکُمْ اِلٰی اَجَلٍ  
 مُّسَمًّی ۚ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۚ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ  
 قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۚ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآئِیْ اِلَّا فِرَارًا ۚ

کہا اسے میری قوم میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو،

اور اُس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ خدا تم کو تمھارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو مقررہ وعدے تک ڈھیل دے گا۔ خدا کا وعدہ جب آجاتا ہے تو پھر دیر نہیں کرتا۔ کاش تم سمجھتے کہ میرے پروردگار میں اپنی قوم کو بلاتار مارات اور دن۔ پھر وہ میرے بلانے سے اور بھاگنے لگے۔

پھر نوح (عقل منترہ) نے قوم (خطرات) کو تنزیہ کی طرف یاواز بلند بلایا پھر پوشیدہ طور پر بلایا۔ پھر قوم (خطرات) سے کہا اِسْتَعْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ وہ بڑا غفار ہے۔“ نوح (عقل منترہ) نے کہا میں نے اپنی قوم (خطرات) کو رات دن تنزیہ کی طرف بلایا مگر میرے بلانے نے اُن کو اور بھگایا۔ اور اپنی قوم (خطرات و خیالات) کا حال بیان کیا۔ کہ وہ اُن کی دعوت کے سننے سے بہرے بن گئے ہیں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ تنزیہ کو قبول کرنا اُن پر واجب تھا۔ علمائے عارف باللہ نے اعتبار کے طور پر نہ کہ تفسیر کے طریقے پر قول نوح علیہ السلام سے جو اپنی قوم کے حق میں فرمایا۔ ایک اشارہ پایا۔ یہ قول اعتبار میں بظاہر ذم اور بباطن ثنا تھا۔ عرفا نے یہ سمجھا کہ قوم (خطرات و خیالات) نے دعوت نوح (عقل منترہ) کو اس لیے قبول نہیں کیا۔ کہ تنزیہ محض فرقان یعنی دوئی و غیریت پر مبنی ہے۔ اور حقیقت و نفس الامر قرآن پر مبنی ہے۔ یعنی تنزیہ و تشبیہ۔ عینیت و غیریت یکی، دوئی کا جمع کرنا ضرور ہے۔ نفس الامر فرقان یعنی غیریت محض پر واقع نہیں۔ جو عینیت میں قائم ہو وہ غیریت کی کیا سنے گا اگرچہ جمع عینیت و غیریت میں عینیت موجود ہے۔ صفت تشبیہی تنزیہ میں جامعیت کہاں یہی وجہ تو ہے کہ خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت اس جامعیت سے خاص کیے گئے۔ یہ اُمت بھی کیسی ہے؟ بہترین اُمت کی بہترین اُمت جو لوگوں کی ہدایت کے لیے انتخاب کی گئی۔

آیت لیس کے مثلہ شی کو دیکھو کہ تنزیہ و تشبیہ دونوں کو ایک ذات حقہ میں جمع کر دیا۔ اور وہ بھی ایک آیت میں۔ ایک جملے میں۔ اگر نوح (عقل منترہ) کوئی ایسی بات کہتے۔ تو قوم (خطرات) قبول بھی کر لیتی۔ کیونکہ صاحب جمع یعنی خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تشبیہ و تنزیہ دونوں کو جمع کرنے والے نے تشبیہ و تنزیہ و کثرت۔ اجمال و تفصیل۔ عینیت و غیریت۔ یکی و دوئی دونوں کو جمع کر دیا۔ ایک آیت۔

ایک بات میں۔ یا انفسا نہیں

مرسوم

روح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی رات کو ان کے خوابوں میں  
کے احوال سے کہہ کر اور غیر اُدیہ میں۔ اور وہ اس کو بھی دعوت میں لے کر  
نمایہ ہی صورت کے لحاظ سے یہ سب اعتبار ہے۔ تنزیہیہ کراہت طوطا بنیہ  
وغیر مت۔ تنزیہ و تشبیہ کو جمع نہیں کیا جسے لبس۔ عیالہ شہی میں جمع میں اس  
دوئی کی وجہ سے ان کے باطن میں نہ کرنے لگے۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ  
اپنے متعلق نوح علیہ السلام نے کہا کہ انہوں نے اپنی قوم کو بخیر دعوت دی  
تبلیغ کی۔ یا کہ حق تعالیٰ اپنی تنزیہ میں چھپا ہے۔ اور وہ دعا ہو جائے۔ نہ اس کے بدلے  
ان پر حقیقت امر یعنی جمع تشبیہ و تنزیہ نہ کشف ہو جائے۔ تنزیہ میں نہ کہ دعوت  
اس لیے دی کہ وہ تشبیہ بڑے ہو گئے تھے قوم۔ اس لئے ان کے دل میں روح  
علیہ السلام سے سمجھا۔ یہ سب اعتبار ہے۔ تنزیہ نہیں ہے۔

فما تے کہ خوف ہی سے انہوں نے یہی ڈال دیا کہ ان میں لکھیں۔  
اور اپنے اوپر چادریں اوڑھ لیں۔ تمام کام چھوڑ کر یہی چھپا  
ایک طاعت کی نفاذت تھی کہ ان کا ان میں لکھیاں۔ کہنے سے ساعدت نماز و احباب  
اور ہمارے اوڑھنے سے ان کا جسم غائب و فنا ہو جاتا تھا۔ ان قوم کے دعوت  
و تبلیغ پر شک تو نہ کیا۔ مگر عمل وہی لیا جس کی دعوت دی جاتی تھی۔ یہ سب  
اعتبار ہے۔

پس لبس کے مسئلہ میں وہ رات کو دعا کرتا تھا۔ مثلاً یہی کیفیت تھی  
اور کاف زائدہ تو فقی شل سے ہی کہاں نہ تھے۔ حالانکہ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو بدعتیں  
اس کے متعلق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں جو احکام و احکام میں وہ ہیں  
ہوں یعنی تمام بارک مختلف ملوٹوں پر لکھا ہوا ہے۔ ہر آپ نے اپنی  
قوم کو رات دن کی طرف دعوت کی یعنی تنزیہ و تشبیہ کی ایک ایک تبلیغ میں  
کی۔ یا محمدیوں کو۔ میں نے اپنی تنزیہ میں تشبیہ اور لکھوں میں خود بہت  
دن میں رات یعنی تشبیہ میں تنزیہ اور ظہور میں ظہور ہے۔

پس فرمایا نوح علیہ السلام نے اپنی حکمت و معرفت میں اپنی قوم سے

اگر تم تنزیہ ذات حق کے قائل ہو گے تو تم پر حق تعالیٰ ایسے ابر باراں بھیجے گا جو لگاتار  
بریں گے۔ اس سے مراد معارف عقلیہ اور نظر اعتباری معانی میں ہے۔ اور تم کو  
احوال سے امداد دے گا یعنی ایسے معارف دے گا جو تم کو ذات حق کی طرف  
مائل کر دیں گے۔ اگر وہ معارف تم کو اُسی کی طرف مائل کر دیں گے تو تم اپنی صورت  
و حقیقت و عین کو ذات حق میں دیکھو گے جس طرح تم آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہو۔  
جس نے خیال کیا کہ اُس نے حق تعالیٰ کو دیکھا، اُس کو کچھ معرفت نہ ملی۔ اور جس نے  
سمجھا کہ میں نے اپنی حقیقت کو ذات حق میں دیکھا۔ وہ بیشک عارف ہے۔  
اسی لیے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عارف (۲) غیر عارف۔

پوری آیت یہ ہے۔ قال نوح رب انہم عصونی و اتبعوا من لہو  
یزدہ مالہ و ولدہ الا خساراً۔ فح علیہ السلام نے عرض کیا۔ میرے پروردگار!  
انہوں نے میری نافرمانی کی۔ اور اُس کی پیروی کی جس کو مالِ اولاد نے نقصان  
ہی نقصان کیا۔ یہاں ولد سے مراد اعتبار لیا جاتا ہے۔ نتائجِ نظر فکری  
یعنی اُن کے غور و فکر نے اُن کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ اور معرفتِ الہی شاید پر  
موقوف ہے۔ نتائجِ فکر و نظر سے بالکل دور ہے۔

اُن کی تجارت نے اُن کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اُن کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ  
بھی جاتا رہا۔ جن چیزوں کو وہ اپنی سمجھتے تھے، اپنی ملک خیال کرتے تھے کچھ بھی  
نہ رہا۔ اُس وقت اُمتِ نوح علیہ السلام سے اہل فنا مراد لے رہے ہیں۔  
اور اُمتِ متحدی سے اہل بقا۔ متحدیوں کے لیے وارد ہو رہا ہے۔ والفقوا  
ہما جعلکم مستخلفین فیہ ترجمہ۔ اور خرچ کرو اے متحدیو! اے اہل بقا!  
اُس چیز میں سے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے متعلق خلیفہ بنایا۔ اہل فنا جو کچھ  
اپنا اپنا جانتے تھے، کھودیتے ہیں۔ اور اہل بقا ملکِ خدا کو بحیثیت خلافت  
دیتے ہیں دلاتے ہیں۔ قومِ نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے لا تختلوا  
من دونی و کیلا۔ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بناؤ۔ بلکہ تو  
اُمتِ نوح کی رہی۔ اور اس میں وکالت اللہ کی۔ چاہے اہل قرب نوال کا ہے۔  
قرب نوال فل :- اپنی ملک سمجھنا۔ اپنی عرض پیش نظر رکھنا۔

ذاتی ارادہ رکھنا۔ خود کام نہ کرنا۔ خدا سے کام لینا۔ اس کے واسطے خدا کو دلیل بنانا۔

محمّدیوں یعنی اہل قرب فرائض کی کچھ بھی ملک نہیں۔ بلکہ ملک اللہ ہی کی رہتی ہے۔ اور یہ اللہ کے خلیفے رہتے ہیں۔ اُس کی طرف سے کار گزار رہتے ہیں۔ یہ حال اہل قرب فرائض کا ہے۔ قرب فرائض کیا ہے؟ حکم الہی پر چلنا۔ تحت امر رہنا۔ بے ارادہ جینا۔ مردہ بدست زندہ رہنا۔

ہاتھ میں اُن سکے ہوں میں کٹھ پتلی وہ جو چاہے مہی کرتا ہوں میں  
آپ جو کہتے ہیں کہہ دیتا ہوں میں نہ زندہ ہوں نہ مردہ ہوں میں

مقصود مراد ہی ہے جو مطلب ہے یا رکاز صریحاً میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں۔ گویا نوافلی خدا پر حکومت کرتا ہے۔ اور فرائض پر خدا حکومت کرتا ہے۔ اس کو یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ نوافل میں خدا بند ہے کا ہاتھ پاؤں ہوجاتا ہے اور فرائض میں بندہ خدا کا ہاتھ پاؤں ہوجاتا ہے۔ یعنی اُس کے امر کو غرض کو پورا کرتا ہے۔ بہر حال قوم نوح علیہ السلام کی ملک ثابت کی گئی۔ اور خدا کی ولایت اور امت محمدیہ کی خلافت ثابت کی۔ اور ملک خدا ہی کی رہی۔ دوام نوح علیہ السلام کی ملک بھی کیسی تھی؟ حقیقت میں ملک خلافت ہی تھی۔ نہ کہ اسلامی ملک۔ جمہوریت خدا وکیل ہوا۔ اور بندہ موکل۔ اور موکل کی وکیل پر حکومت چلتی ہے۔ تو بندہ سے کی حکومت خدا پر چلی۔ تو خدا ملک ہوا۔ اسی لیے تو بندہ ہی سنے کہتا ہے۔

”یا رب میں اگر تیری ملک ہوں تو تو بھی میری ملک ہے“

اور انھوں نے بڑا کر کیا۔ اس میں اعتبار یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف بلانا اُس شخص کے ساتھ کر ہے جس کو بلا تے ہیں۔ کیونکہ حق سے کب فصل تھا کہ اب وصل ہوگا۔ ادعوالی اللہ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ سامعین کی اچھی سرت کے ساتھ کر ہے پس انھوں نے مقبت کیا کہ تمہارا کچھ نہیں سب خدا کا ہے۔ سامعین نے بھی مطلق طور پر فنائیت پیدا کر کے

یعنی کانوں میں انگلیاں دے کر انکار کی صورت پیدا کی۔ ان کے بعد محمدی  
آیا۔ سمجھ گیا کہ دعوت الی اللہ کے معنی ذات حق کی طرف بلانا مقصود نہیں۔  
بلکہ تجلیات اسمائہ کی طرف، یہی بلانا مقصود ہے۔ پھر کہا یوم نحشہ  
المتقین الی الہین وفلا۔ جس دن ہم متقیوں کو رحمت کی طرف جمع  
کریں گے۔ حرف الی کو رحمت سے ملایا۔ اس سے ہم نے سمجھ لیا۔ کہ عالم  
زیر تجلی اسم الہی تھا جس کی وجہ سے اُن کو معنی و پرہیزگار بننا پڑا۔  
انہوں نے اپنے مکرمیں کہا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ  
وَدَّاءِ سَوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسَاء۔ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔  
اور نہ چھوڑو و دبت۔ سواع بت۔ یغوث بت۔ یعوق بت اور نسہ بت کو

اعتباس :- اگر ان بتوں کو چھوڑ دیتے تو اُن ظہورات سے جو  
ان بتوں میں تھے جدا ہو جاتے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک وجہ، ایک تجلی  
پر معبود، بلکہ ہر مخلوق ہر شے میں ہے جو اُس شے کو جانے کا اُس میں کی وجہ  
کو جانے کا۔ اور جو کسی شے کو نہ جانے کا تو اس میں کی وجہ حق سے بھی جا مل رہے گا۔  
مرآتِ حقائق ہے یہ دنیا مرے آگے (حسرت صدیقی) ہر ایک میں ہے یا رکا جلو امرے آگے  
بے وجہ نہیں دل کشی صورتِ باطل باطل میں بھی ہے حق کا ناما مرے آگے  
محمدیوں کے لیے نازل ہوا وَ قَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِنَّا۔  
ترجمہ۔ تمہارے پروردگار نے حکم دیا۔ کہ تم عبادت نہ کرو مگر اُس کی۔ اور  
صرف اُس کی۔ کیونکہ وہ واجب الوجود ہے۔ منبع الجود ہے۔ عالیٰ شان ہے۔  
رت الارباب ہے۔

اعتبار :- عارف محمدی جانتا ہے کہ دراصل کس کی پوجا  
کی گئی۔ اور حق تعالیٰ کس صورت میں کس منظر میں جلوہ گر ہوا کہ لوگ  
لگے اُس منظر کو پوجے۔ گو خود پوجنے والا جاہل پوجے اور حق کی جلوہ گری  
نہ دیکھے۔ رباعی  
مسجد میں رہو تو تم کو میں مانتا ہوں دستِ صیغیٰ مندر میں چھپو تو تم کو میں جانتا ہوں  
جس رنگِ زریں کو کچھ نہیں ہے پروا اس ناز و داد سے تم کو بچاؤں



تجلی گاہ حق ہے۔ اور اس تجلی کے الحق واجب التعظیم ہے۔ وہ تجلیات الہیہ کو کسی ایک منظر میں منحصر نہ سمجھیں گے نہ کسی ایک مقام پر اڑے رہیں گے۔ اور فی شخص جو کسی چیز و شے میں تجلی الوہیت کرتا ہے تو کہتا ہے مَا نَعْبُدُہُمْ إِلَّا لِیُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰہِ زُلْفٰی۔ ہم ان کی پوجا اسی لیے کرتے ہیں کہ قرب حق ہم کو بخشیں۔ اعلیٰ عالم کہتا ہے اِنَّمَا اِلٰہُکُمُ اللّٰہُ وَاجِدًا فَلْہٗ اَسْلِمُوْا۔ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اس کی اطاعت کرو خود کو اس کے حوالے کرو جہاں سے جاوہر گریو۔ رونما ہو سہ

خوش ہم سے رہے جاننا ہم عید اسے کہتے ہیں { اجدید آبادی  
بس ایک کے ہو رہنا توحید اسے کہتے ہیں }  
وَلَبِثَ الْمُحِبِّتٰیۡنِ اَوْرَصَابِدَیۡنِ اَوْرَعَا جَزٰی کَرْنِیۡ وَ اَلُوۡلِیۡ کُو  
خوشخبری دو۔

اعتبار:- ان لوگوں کو خوشخبری دو، جن کی آتش طبیعت خاموش ہو گئی ہو۔ وہ کہیں گے اللہ نے یہ کیا۔ اللہ نے وہ کیا۔ وہ نہ کہیں گے فلاں نے یہ کیا۔ یا فلاں شخص نے وہ کیا۔ یا فلاں طبیعت کا یہ اثر ہے۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا۔ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا۔  
اعتبار:- انہوں نے واحد حقیقی، ذات مطلق کو مختلف وجوہ و نسبتوں (۷) میں بتلا کر لوگوں کو حیران کر دیا۔  
ان ظالموں کو اور گمراہ ہی ای دے۔

اعتبار:- آدمی تین قسم کے ہیں جو آیت ذیل میں ہیں۔  
مِنْہُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْہُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْہُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ اِذْۢنَ اللّٰہِ۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور بعض میانہ رو ہیں۔ اوسط حالت میں ہیں۔ اور بعض خیر کے کاموں کو لے دوڑنے والے ہیں۔ ان لوگوں کو حیرانی ہی عطا کر جنہوں نے اپنے نفوس کو پامال نظام کیا تیرے برگزیدہ ہیں۔ وارث کتاب ہیں۔ تینوں قسم میں اول ہیں۔ میلاد

جز دوم

اور سابق سے بھی مقدم ہیں۔

دلہ در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا

مہدیوں کی دعا ہے ذِذْنِ فیک تعیرا۔ خدایا مجھے تجھ میں حیرت بڑھا۔  
حیرت دو قسم کی ہے۔ مذموم۔ محمود۔

حیرت محمود۔ حیرت کے وجود کا یقین ہے۔ مگر تعلیل و توجیہ میں

حیرانی ہے۔ کیونکہ نظام عالم عقل سے پر ہے۔

سرخسہ مثل مجنوں پایا تری گلی میں گریہ مند کوئی پہنچا تری گلی میں

دیوانگی یہ میری ہنستے ہیں عقل والے تیری گلی کا رستہ پوچھا تری گلی میں

ہم نے تو لاکھ ڈھونڈا کچھ بھی پتا نہ پایا مجنوں کہ صرچیا ہے نیلی تری گلی میں

حیرت مذموم۔ تعلیل ایک طرف، خود شے کے ہونے نہ ہونے

میں شک ہے۔ نہ وجود کا یقین ہے نہ عدم کا۔

کَلِمًا اَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَفِيهِ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۔ ان

منافقین، حیرت مذموم والوں پر روشنی پڑتی ہے، تو کچھ چلتے ہیں تصدیق

کرتے ہیں۔ اور جب اُن پر ظلمت چھا جاتی ہے، تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تصدیق نہیں کرتے۔ ایمان نہیں لاتے۔

اعتبار۔ ان حیرت محمود والوں پر واحدیت اسما و صفات کی

تجلی ہوتی ہے تو کچھ توجیہ کرتے اور سمجھتے ہیں۔ اور جب احدیت اور ذات بزرگ

بچوں و بچکونہ کی تجلی ہوتی ہے، تو حیران و بخود کھڑے رہ جاتے ہیں۔

ان کو نہ سر کی خبر رہتی ہے نہ پاؤں کی۔ صاحب محبت حیران محبت تو

گھومتا رہتا ہے۔ اس کو تو حرکت دوری رہتی ہے۔ کیوں؟ وہ قطب محبت

کے اطراف حرکت دہی ہی کرتا رہتا ہے۔ محبوب کے صدقے ہوتا

رہتا ہے۔ محبوب کو چھوڑ کر جائے کہاں؟ جو سیدھا رستہ چلتا ہے،

حقیقہ وہی ٹیڑھا راستہ چلتا ہے۔ وہ مقصد سے دور ہے۔ حالانکہ جس کا

وہ طالب ہے اس سے وہ خود معمور ہے۔ اُس کا ایک خیال ہے

جس کا انجام ہے۔ مال ہے مگر اس کے لیے من بھی ہے الی بھی ہے۔

سے بھی ہے تک بھی ہے۔ مبداء بھی منتہی بھی ہے۔ دونوں کے درمیان کا جزو سوم فاصلہ بھی ہے۔

جو حرکت دوری کرتا ہے وہ ذات کا بندہ ہے۔ نہ اُس کی ابتداء ہے کہ ”من“ یا ”سے“ اس سے ملے۔ نہ اُس کے کمال کی انتہا ہے کہ ”الی“ یا ”تک“ لگے۔

ایک گردش ہے صورت پر کار (حیرت صدیقی) اور ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ اُس کا وجدان تام ہے۔ اُس کا ادراک کامل ہے۔ اُس کے کلمات جو امع الکلم ہیں۔ اس کے احکام مبنی بر حکم ہیں۔ وَمَقَامُ خَطِيَاَتِهِمْ اُغْشَا قُوًا فَادْخُلُوا اِنَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْصَادًا۔ اور اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق آب ہوئے۔ پھر آتش جہنم میں داخل ہوئے۔ پھر انہوں نے خدا کے سوا اُسے اپنے مددگار نہ پائے۔ اعتباراً: سابقہ اعمال نے اُن کو یہاں پہنچایا۔ دریا اُسے علم و معرفت الہی میں غرق ہو گئے۔ جو عین حیرت و حیرت محویت ہے اَدْخُلُوا اِنَارًا۔ آگ میں ڈالے گئے۔

اعتبار۔ آتش محبت میں داخل ہوئے جو چشمہ محویت و کون ہے۔ مجتہدوں کے لیے آیا و اذ البحار سحرت جب دریا سلگائے جائیں گے۔ یہ مشتق ہے سحرت الثنور سے جبکہ تم نے نور سلگایا۔ فَلَمْ يَجِدُوا لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْصَادًا۔

اعتباراً۔ سرگشتگان عشق و محبت کو فنا کر دینا ہی عین مدد ہے۔ اللہ ہی اُن کا معین و مددگار ہے۔ اپنے آپ کو فنا کر دینا بندے کا فعل نہیں۔ خدا کا کام ہے۔ فانی فی اللہ ابد الا بآد تک مستہلک میں نیست و نابود ہیں۔ اگر اللہ اُن کو اُن کی طبیعت اُن کی ابتداء الی حالت پر راجع کر دے تو اس مرتبہ بلند درجہ رفیعہ سے اتار دے۔ سچ پوچھو تو ہر مرتبہ اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔ بلکہ اللہ کے سوا ہے کیا۔

قال نوح ذب۔ نوح نے کہا یا رب۔ اے میرے پروردگار!

اعتبار۔ انہی نے کہا۔ کیونکہ شان ربوبیت کو ثبوت سے قائم ہے۔ اور اللہ مختلف اسماء میں بلوہ کرتے ہیں۔ وہ کلیم ہونے کی شان سے لفظ رب سے ان کا مراد ثبوت تلویں و تبدل و تکرار کی ہے۔ کیونکہ اس مقام میں اس کے سوا دوسرا اسم مناسب نہیں۔ نہ تلویں کے سوا کچھ اور محمود و ب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا زمین پر کسی باذکر کو نہ چھوڑے۔ ان کو فنا کر دے۔ ورنہ کر دے۔

اعتبار۔ محبت کے کاذب عشق کے سلاک کو ذکر کرنے۔ اس کو مار کر فنا کر کے شان احدیت میں دفن کر دے۔

کچھ نشہ نہیں ہوتا سانی کے لئے خالص سے اخلاص سے  
اب ساعز و مینا میں کچھ زہری ملو ادب  
متمم ہی کہتا ہے نو دلینہو جمیل لہذا علی اللہ۔ اڑہ کر رہی  
کے ساتھ پیوڑو کے تو خدا ہی پر اترے گا لہذا ما فی السموات و ما  
فی الارض۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔

اعتبار۔ تحت و فوق جو کچھ ہے سب میں تیرے جلوہ میں۔ تجھ ہی  
سے ان کا قیام ہے۔ جب زمین میں تم دفن ہو جاؤ گے تو تم اس میں ہو جاؤ گے۔  
وہ تمہارا طرف بن جائے گی و فیہا نعید کما و منها خیماتہ حوی۔  
ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ پھر زمین ہی میں بیچا دیں گے۔ اور پھر ایک دفعہ  
اُس سے باہر نکالیں گے۔

اعتبار۔ ہم سب احدیت سے نکلے تھے۔ فنا ہو کر پھر احدیت میں  
جا چھیں گے۔ پھر لپٹائے گی۔ اور دوبارہ پھر نہ رہیں گے۔  
من الکافرین الخ۔

اعتبار۔ اسے رب ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی زمین پر نہ چھوڑے۔  
جنہوں نے اپنی شیطانی اذیت سے جو دو مصائب و افعال حق کو اپنے وجود  
و مصائب و افعال میں چھپا لیا۔

غفر۔ کہ غفری معنی ستر اور چھپانے کے ہیں۔ ان میں مغفرت و غفر کے معنی

مراد ہیں۔ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ چھپانے کے لیے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام جزو سوم  
چھپانا طلب کرتے تھے۔ ان سکا فروں میں سے کسی کو چھوڑنا کہ جیسی دوست

عام تھی منفعت بھی عام ہو۔  
إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ لَيُضِلُّوا عِبَادَكَ۔ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا اور  
ان پر عذاب نہ لائے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔

اعتبار۔ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا۔ تو یہ لوگوں کو مقام حیرت  
میں ڈال دیں گے۔ اور لوگوں کو احکام عبودیت سے اسرار ربوبیت  
کی طرف نکالیں گے۔ اور وہ اپنے آپ کو ارباب اور صاحب تصرف  
سمجھیں گے۔ بعد اس کے کہ اپنے آپ کو بند سے سمجھتے تھے۔

پس وہ یقین، تشخص اور منظر اسم ظاہر جو نے کی حیثیت سے بندے ہیں۔  
اور جو حقیقی اور ہویت حق کی حیثیت سے ارباب ہیں ولایلد والافاجوا کفاراً  
اور نہ جییں گے مگر کھلے نافرمان اور سخت کفر کرنے والے حق پوشوں کو۔

اعتبار۔ ان کے آرائیجہ بخش ہوں گے۔ وہ ظاہر کریں گے ان اسرار ربوبیت کو  
جو مستند تھے۔ اور چھپائیں گے احکام عبودیت کو جو ظاہر ہیں۔ بہر حال وہ ظاہر کو  
چھپائیں گے۔ اور باطن کو ظاہر کریں گے۔ اور انظرین حیران رہ جائیں گے کہ  
ان ظاہر کرنے والوں اور چھپانے والوں کا مقصد کیا ہے۔ حالانکہ ہر وقت حق  
اور ذات اور ذات واجبہ تو ایک ہی ہے۔

رب اغفر لی ولوالدی۔ یا رب تو مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔  
اعتبار۔ مجھے میری نظر سے چھپا دے۔ میری قدر کھلنے نہ پائے جس طرح کہ  
تیری قدر نامعلوم ہے۔ بموجب تیرے قول وما قدرا اللہ حق قدرہ کے یعنی  
لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی کہ قدر کرنی چاہیے۔

ولوالدی۔ اعتبار۔ میں جن کا نتیجہ ہوں جن کے لئے میں  
پیدا ہوا ہوں یعنی عقل و طبیعت، روح و جسد۔ ان کو بھی شان احدیت میں  
چھپا دے۔

ولمن دخل بیتی مؤمناً وللمؤمنین والمؤمنات ولا تزد الظالمین

۱۰۰  
 ۱۰۱  
 ۱۰۲  
 ۱۰۳  
 ۱۰۴  
 ۱۰۵  
 ۱۰۶  
 ۱۰۷  
 ۱۰۸  
 ۱۰۹  
 ۱۱۰  
 ۱۱۱  
 ۱۱۲  
 ۱۱۳  
 ۱۱۴  
 ۱۱۵  
 ۱۱۶  
 ۱۱۷  
 ۱۱۸  
 ۱۱۹  
 ۱۲۰  
 ۱۲۱  
 ۱۲۲  
 ۱۲۳  
 ۱۲۴  
 ۱۲۵  
 ۱۲۶  
 ۱۲۷  
 ۱۲۸  
 ۱۲۹  
 ۱۳۰  
 ۱۳۱  
 ۱۳۲  
 ۱۳۳  
 ۱۳۴  
 ۱۳۵  
 ۱۳۶  
 ۱۳۷  
 ۱۳۸  
 ۱۳۹  
 ۱۴۰  
 ۱۴۱  
 ۱۴۲  
 ۱۴۳  
 ۱۴۴  
 ۱۴۵  
 ۱۴۶  
 ۱۴۷  
 ۱۴۸  
 ۱۴۹  
 ۱۵۰  
 ۱۵۱  
 ۱۵۲  
 ۱۵۳  
 ۱۵۴  
 ۱۵۵  
 ۱۵۶  
 ۱۵۷  
 ۱۵۸  
 ۱۵۹  
 ۱۶۰  
 ۱۶۱  
 ۱۶۲  
 ۱۶۳  
 ۱۶۴  
 ۱۶۵  
 ۱۶۶  
 ۱۶۷  
 ۱۶۸  
 ۱۶۹  
 ۱۷۰  
 ۱۷۱  
 ۱۷۲  
 ۱۷۳  
 ۱۷۴  
 ۱۷۵  
 ۱۷۶  
 ۱۷۷  
 ۱۷۸  
 ۱۷۹  
 ۱۸۰  
 ۱۸۱  
 ۱۸۲  
 ۱۸۳  
 ۱۸۴  
 ۱۸۵  
 ۱۸۶  
 ۱۸۷  
 ۱۸۸  
 ۱۸۹  
 ۱۹۰  
 ۱۹۱  
 ۱۹۲  
 ۱۹۳  
 ۱۹۴  
 ۱۹۵  
 ۱۹۶  
 ۱۹۷  
 ۱۹۸  
 ۱۹۹  
 ۲۰۰

*Handwritten signature*

100

1. 1940-1941

[illegible]

100

100-443887-100

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 84

ترجمہ

# فصوص الحکم

جزو چہارم

(۴) فصوص کلید ادریس

“

.

# حکمتِ دوسیه

## فص کلہ اور سیہ کے بیان میں

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی مسئلے کی تحقیق جدا ہوتی ہے اور مثال کے طور پر یا عبرت لینے یا نصیحت پکڑنے کے لیے کسی جانور کے فرضی قصے کا بیان کرنا یا غلط، مگر مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرنا درست ہے کیونکہ اس وقت مقصود صرف تشیل اور عبرت ہوتی ہے۔

واقعات اور مسائل کی تحقیق و تنقید کا مقام دوسرا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ حریص کو کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ جو کچھ اپنا تھا اس کو بھی کھو دیتا ہے۔ جیسے ایک حریص گٹا جس کے منہ میں گوشت کا ٹکڑا تھا۔ ندی پر سے گزر رہا تھا۔ اس نے ندی میں اپنا سایہ دیکھا، اس نے سمجھا کہ ایک دوسرا گٹا منہ میں گوشت کا ٹکڑا اچکڑا لے جا رہا ہے۔ حریص گٹا اپنا منہ کھول کر اس کے گوشت کے ٹکڑے کو چھیننے کے لیے جھپٹا۔ اور اپنا گوشت کا ٹکڑا بھی کھو دیا۔ دیکھو اس قصے سے صرف حرص کی مذمت مقصود ہے۔ اور وہ اس سے حاصل ہے۔ یہ بات کہ کیا واقعی کسی گٹے نے ایسا کیا، یا نہیں، ہمارے مقصود سے خارج ہے۔

ہیئت دانوں کے دو فرقی ہیں۔

(۱) بعض زمین کو مرکز عالم سمجھتے ہیں اور یہ بطلیموسی کہلاتے ہیں۔  
 (۲) اور بعض آفتاب کو اپنے سیاروں کا مرکز سمجھتے ہیں۔ اور یہ فیثاغورثی کہلاتے ہیں۔

تاہم فیثاغورث کے خیال میں ہر ایک ثابتہ آفتاب ہے اور اس کا نور ذاتی ہے بعض ثابتہ ہمارے آفتاب سے بہت بڑے ہیں۔ کہکشاں میں جس کو عربی میں مَجَرَّة کہتے ہیں گردِ آفتاب ہیں۔ دو دو ثابتہ یا آفتاب باہم ایک دوسرے کے اطراف گردش کرتے ہیں۔ اور دو دو کا جوڑا۔ اور ایک جوڑے کے اطراف گردش کرتا ہے۔ بعض کے پاس تین تین کے اطراف گردش کرتا ہے اور زمین مع قمر کے آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے۔ آفتاب مع تمام سیارات کے کسی بہت بڑے آفتاب کے گرد گردش کرتا ہے۔ اور تمام آفتاب مانے عالم ایک شمس الشمس کے اطراف گردش کرتے ہیں۔ زمین کو ساکن ماننے والوں کے پاس ستاروں کی جو ترتیب ہے اس کو شیخ نے یہاں بطور تمثیل کے بیان کیا ہے اور یہاں صرف علو کے مکان کی مثال مقصود ہے، نہ کہ تائید نظام بطلیموسی۔ ہسم کو بحیثیت مذہبی آدمی اور صوفی ہونے کے نہ نظام فیثاغورث سے غرض ہے نہ نظام بطلیموسی سے۔ اس مسئلے کو یاد رکھو۔ یہ بہت سی جگہ نفع دے گا۔  
 علو و بلندی و تفوق چار قسم پر ہے۔

(۱) علو ذاتی۔ ذات کا بذات خود موجود ہونا۔ (۲) علو صفاتی۔ صفات کا کسی دوسرے سے حاصل نہ ہونا۔ بلکہ اس کا منشا صرف اُسی کی ذات کا ہونا۔ (۳) علو مکانی۔ مکان کا بلند ہونا۔ (۴) علو مکانیت یعنی مرتبہ عالی۔ پہلے دو علوفات واجبہ سے خاص ہیں۔ علو مکان و علو مکانیت و مرتبت مکانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ایسا علو نسبت و اضافت ہے۔ دوسرے کے لحاظ سے ہے۔ جیسے ورفعنا لا مکانا علیا ہم نے ادیس علیہ السلام کو مکان عالی پر چڑھا دیا۔ مکانات میں اعلیٰ مکان نظام فیثاغورثی کے اصول پر سیارات کو نور بخشی گئے لحاظ سے وہ مکان ہے جس پر عالم افلاک کی چکی گردش کرتی ہے اور وہ فلک الشمس ہے۔ اسی میں ادیس علیہ السلام کی روحانیت کا مقام ہے۔

دیکھنے میں یا نظام بطلموسی کے مطابق - فلک الشمس کے نیچے سات فلک ہیں -  
 اور اس کے اوپر سات فلک ہیں - فلک الشمس پندرہواں فلک ہے - اعلیٰ  
 ترتیب یہ ہے - (۱) کرہ زمین یا خاک (۲) کرہ آب (۳) کرہ ہوا (۴) کرہ آتش  
 اشیر یا مار (۵) قمر (۶) عطارد یا کاتب یا دبیر فلک (۷) زہرہ (۸) شمس (۹) مریخ  
 یا احمر (۱۰) مشتری (۱۱) زحل یا کیوان - اب ان کے اوپر یورنوس اور نیپچون کے  
 سیارے بھی دریافت ہوئے ہیں (۱۲) فلک منازل یا فلک بروج یا فلک ثوابت  
 (۱۳) فلک الشمس جس پر کوئی ستارہ نہیں ہے - کاتبوں کی غلط نویسی سے فلک اس کو  
 فلک بروج کہہ دیا گیا ہے - حالانکہ ثوابت ہی میں بروج ہیں (۱۴) فلک الکبریٰ -  
 (۱۵) فلک العرش - عرش و کرسی عالم دنیا میں شامل نہیں - نہ وہ افلاک ہیں -  
 بلکہ عالم مثال میں ہیں - بہر حال اس وجہ سے کہ فلک الشمس افلاک کا قطب ہے -  
 حضرت ادریشیل رفیع المکان ہوئے - اور آفتاب کی طرح ان کے فیوض دنیا پر  
 جاری ہیں -

اور علو مکانیت و مرتبت ہم محمدیوں کے لیے ہے - چنانچہ حق تعالیٰ  
 فرماتا ہے: **وَأَن تُمِ الْاَعْلَوْنَ** - تم لوگ درجے اور مرتبے میں دوسروں سے اعلیٰ ہو -  
 وہو منکبر وہ تمہارے ساتھ ہے - اس علم و درجہ میں اللہ بھی تمہارے  
 ساتھ ہے - حق تعالیٰ علو مکان سے پاک ہے - مگر علو مکانیت و مرتبت  
 اُس کے لیے ثابت ہے -

جب عبادت و عمل کرنے والوں کے نفوس معیت الہی سے ڈرے تو  
 آیت معیت کے بعد ہی فرمایا - **وَلَن يَتْرُكُوا عَمَّا لَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی** - اعمال کو ضائع  
 نہ کرے گا - عمل علو مکانیت کا طالب ہے اور علم مکانیت عزت قرب الہی کا  
 طالب ہے - اللہ تعالیٰ نے ہم محمدیوں کے لیے دونوں قسم کے علو و رفعت  
 سے سرفراز کیا - علو مکان عمل سے اور علو مکانیت علم سے - پر علو مکانیت و  
 درجہ میں شرکت جو معیت سے ثابت ہوتی ہے، اس سے بھی تنزیہ کے لیے فرمایا -  
**سُبْحٰنَ سُوْرَتِکَ الْاَعْلٰی** - تم اپنے پروردگار اعلیٰ و ارفع کے نام کی اس اشراک معنوی  
 سے تنبیہ و تنزیہ کرو -

بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ انسان کامل تمام مخلوقات میں اعلیٰ و بلند ترین ہے مگر اس پر بھی اُس کی طرف علو بالذات منسوب نہیں بلکہ اُس کی طرف علو بالکبیعت منسوب ہے۔ خواہ وہ علو مکان کی طرف منسوب ہو، خواہ مکانیت و مرتبت کی طرف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کامل بھی اپنی عدمیت ذاتی و نیستی اصل کو سمجھتا ہے۔ اور ادعا مانے باطل سے اور بھوٹے دعووں سے اجتناب کرتا ہے۔

اسے ذات تو جمع اکمالات میں بھی ہوں کمال بے کمالی یہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ علو مکانیت سے مراد درجہ مرتبہ تمکین کی رفعت و ترقی ہے۔ بہر حال انسان کامل کو علو ذاتی نہیں بلکہ وہ علی بلندی اور مرفراز ہے مکان و مکانیت کے علو کے لحاظ سے۔ یعنی اس کے لیے علو مکانی و مکانی ثابت ہے۔ حق سبحانہ کا علو عالم مثال میں علو مکان سے مشابہ معلوم ہوتا ہے جیسے الرحمن علی العرش استوی یعنی شان رہانیت عرش حکومت پر براجمتی ہے۔ عالم مثال میں عرش ہی سب مکانات سے اعلیٰ ادراک کیا جاتا ہے۔ علو مکانیت خدا کے تعالیٰ کے لیے ان آیتوں میں ہے کل شیئی ہالک الا وجہ ہر شے فانی ہے۔ باطل ہے سوائے ذات حق کے۔ اور الیہ مرجع الامر کا یہی کی حرف رجوع کرتا ہے سارا کلام۔ اور اللہ مع اللہ۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے۔

جب خدا کے تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کے حق میں فرمایا و دفعنا لا مکانا علیا ہم نے اُس کو مکان بلند پر چڑھا دیا۔ تو علو مکان کی صفت ہوئی اور اس آیت میں علو مکانیت ہے۔ و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ اس واقعے کو بھی یاد رکھو۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اور فرشتوں اور ابلیس کے بارے میں فرمایا۔ اے ابلیس کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اور تمکبر کیا۔ یا تو بلند مرتبے والوں سے تھا۔ پس فرشتوں کے لیے علو ثابت کیا گیا۔ اگر یہ علوان کے فرشتے ہونے کے سبب سے ہوتا تو کل فرشتے اس علو میں شریک ہوتے۔ مگر یہ علو تو عام نہیں۔ باوجودیکہ وہ سب فرشتے ہونے میں شریک ہیں۔ اس سے ہم نے

جان لیا کہ یہ علو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ درجہ مسکنات کا ہے۔ ایسا ہی حال آدمیوں میں کے خلیفوں کا ہے کہ ان خلفا کا علو، علو ذاتی ہوتا تو پھر انسان کو علو ہوتا کیونکہ ان کا ک وجود ان ذات کی ذاتیات و لوازم ذات سے جائز نہیں۔ جب علو تمام انسانوں کا عام نہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ علو مسکنات و مرتبت ہے نہ کہ علو ذاتی۔

شیخ اب علو ذاتی سے بحث فرماتے ہیں حق تعالیٰ کے اسمائے ذاتیہ میں سے اسم العلی بھی ہے۔ یعنی بلند۔ پس اس کا علو کس پر ہوگا۔ علی کا لفظ تو مشتق ہے یا محاورہ علی علیہ سے جس کے معنی ہیں فلاں فلاں پر غالب۔ عالم میں تو اس کے سوا کوئی بالذات ہے ہی نہیں۔ تو وہ کس کی اضافت سے علی ہے۔ پس وہ بذاتہ علی ہے۔ یا علی کا لفظ مشتق ہے محاورہ علی عند سے جس کے معنی ہیں فلاں فلاں سے بلند ہے۔ اس کے سوا مرتبہ جمع و ذاتیں اور ہے ہی کیا۔ کہ اُس سے اعلیٰ ہو۔ پس اس کو بنفسہ علو ہے اور باعث بار وجود، وہ موجودات کا عین۔ اور سب کا منشا ہے الیہ یرجع الامر کلا۔ وہی سب کا مرجع ہے اور مطلق، عین متعین ہے، تحقق و وجود میں۔ اور غیر ہے تعقل و فہم میں۔ پس موجودات جس کو محدثات و مخلوقات کہتے ہیں۔ وہ بھی اپنی ذات حقہ و منشا و اصل کے لحاظ سے علی و بلند ہیں۔ کیونکہ موجودات اس لحاظ سے غیر حق نہیں۔ پس حق تعالیٰ بذاتہ علی ہے۔ باضافت علی نہیں۔ کیونکہ اعیان ثابتہ و معلومات الہیہ جن کو وجود خارجی نہیں، ہنوز کتم عدم میں ہیں۔ ان کو وجود خارجی کی ہوا تک نہیں لگی۔ پس اعیان ثابتہ باوجود موجودات خارجیہ میں متعدد معلوم ہونے کے ہنوز اپنے عدم اصلی پر ہیں۔ اور وہ ذات مجموعہ صور میں متجلی ہے مجموع اور کثرت سے بحیثیت تقيید ظاہر ہے اور مجموع اور کثرت میں بحیثیت اطلاق باطن ہے۔

کثرت اسماء ہی میں پائی جاتی ہے اور اسمائے نسبتیں اور عددی امور ہیں۔ اور وجود میں وہی ایک عین ہے جو ذات واحدہ ہے۔ پس حق تعالیٰ بنفسہ علی ہے اور باضافت اُس کو علو نہیں۔ اور عالم میں بھی اس حیثیت سے یعنی ذات کے منشا کثرت ہونے کے لحاظ سے، عینیت کے لحاظ سے علم

اضافی نہیں۔ بلکہ اُس کے لیے علو ذاتی ہے۔ اگرچہ بہت غیریت سے عموماً  
اضافی ہے۔ کیونکہ وجود کے جہات و وجوہ میں تفاضل و تفاوت ہے۔ پس  
عین واحد میں باعتبار کثرت جہات کے علو اضافی ہے۔ اسی لیے ہم ہر منظر میں  
کہتے ہیں کہ وہ وہ نہیں ہے اور تو تو نہیں ہے۔

ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ جو وہ بھی جہات حقین سے ایک جہت ہیں۔  
اور مظاہرہ طہریں سے ایک منظر ہیں، اور حق کی زبانوں میں سے ایک زبان ہیں  
اپنے نفس اور ذات سے خبر دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بغیر اضداد کا حکم اسس پر  
لگائے جانے کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس وہاں قول ہے وہی آخر ہے۔ اور وہی  
ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔ وہ عین ظاہر ہے، اپنے پہلو ان کے وقت اور  
عین باطن ہے اپنے ظہور کے وقت۔ وجود میں اُس کو سوائے اس کے کوئی  
دوسرا دیکھنے والا نہیں۔ اور کثرت میں بھی جس میں وہ مخفی ہے کوئی دوسرا  
نہیں۔ پس وہ اپنے ہی نفس پر ظاہر نمایاں ہے۔ اور وہ اپنے ہی نفس سے  
مخفی و باطن ہے۔ ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نو پید امکانات کے نام بھی  
فی الحقیقت اُسی کے نام ہیں۔

اب اسما کے امتیاز کو دیکھو۔ جب اسم الظاہر انا کہتا ہے تو اسم الباطن  
کہتا ہے کہ میں نہیں ہوں۔ اور جب اسم الباطن انا کہتا ہے تو اسم الظاہر کہتا ہے کہ  
میں نہیں ہوں اور یہ حکم اشتراک و امتیاز تمام اضداد میں ہے۔ ایک اور مثال پر  
غور کرو۔ مشکل کے معنی اور اُس کی حیثیت الگ ہے۔ اور سارے کے معنی اور  
اُس کی حیثیت جدا ہے۔ مگر ایک ہی شخص سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے۔ اور  
مشکل و سامع کی ذات و عین تو ایک ہے۔ بشری صفتی الشریہ و سلم نے فرمایا۔  
ان الله تجاوز عن امتين ما حدثت به النفسها۔ اللہ تعالیٰ نے ان  
سنا و سامع کو موافق فرمایا جن کے متعلق ان کے نفسوں نے گفتگو  
کی۔ دیکھو یہاں آدمی اپنے نفس میں آپس میں یوں کہہ رہا ہے کہ اپنے آپ سے گفتگو  
کرتا ہے۔ پس ان خطرات و احاطہ نفس میں خود ہی بولتا ہے اور خود ہی اپنی  
باتیں سنتا ہے۔ اور اُس کے نفس لے جو کچھ کہتا اُس کو جانتا ہے۔ حالانکہ ذات تو

جنہ چارم

ایک ہی ہے۔ اگرچہ مختلف حیثیتوں سے ان پر مختلف احکام لگے ہیں۔ اور ایک ذات پر مختلف اعتبار سے مختلف احکام لگنے سے کوئی ناواقف نہیں۔ کیونکہ اس بات کو ہر شخص اپنے نفس میں پاتا اور جانتا ہے جس طرح ایک ہی انسان مختلف جہات سے متضاد امور سے موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی مختلف جہات سے مختلف و متضاد اوصاف سے موصوف ہے۔ اور اُس پر مختلف احکام لگتے ہیں۔ اس تحقیق سے ناواقف ہونے سے مجبورین گریڑ میں پڑ گئے۔ اور حق و باطل میں ان کو اشتباہ ہو گیا۔

ایک اور مثال پر غور کرو کہ مراتب معینہ میں واحد کے بار بار آنے سے اعداد پیدا ہوئے ہیں۔ واحد ہی نے عدد کو موجود کیا ہے۔ اور عدد نے واحد کی تفصیل کی۔ اور عدد کا حکم بغیر معدود اور خارجی شے کے ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ عرض ہے۔ غیر مستقل ہے۔ قائم بنفسہ نہیں۔ واضح ہو کہ واحد مثال سے عین واحدہ ذات حقہ کی۔ اور عدد مثال ہے کثرت اسما کی جو مختلف شانوں میں۔ اور مختلف ذاتی نسبتوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یا عدد مثال ہے علم میں کثرت اعیان ثابتہ کی۔ اور معدود مثال ہے حقایق کوئیہ، مظاہر خلقیہ، موجودات خارجیہ کی۔ بعض معدود معدوم ہوتے ہیں اور بعض موجود رہتے ہیں کبھی ایک شے باعتبار جس کے معدوم ہوتی ہے اور وہی باعتبار عقل کے موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اعیان ثابتہ و حقایق ممکنہ کو ضرور نہیں کہ سب خارج میں موجود ہوں۔

پس عدد و معدود یعنی اُس چیز کا جو گنی جاتی ہے نیز واحد کا ہونا ضرور ہے۔ عدد سے واحد کی تفصیل ہوتی ہے۔ معدود سے احکام عدد نمایاں ہوتے ہیں۔ واحد عدد کو بناتا ہے اور اس کے سبب سے عدد بنتا ہے۔ اگرچہ اعداد میں سے ہر ایک مرتبہ کی ایک تمیز اور معین حقیقت ہے۔ مثلاً نو سے نیچے تک ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ اور ۱۱ سے اوپر غیر قناہی تک محدود ہے۔ واضح ہو کہ واحد میں دو اعیان ہیں۔ ایک وہ جو تمام اعداد میں ہے۔ دوم وہ جو ترتیب میں ہے۔ یعنی دو سے پہلے، یہ واحد ۲، اور ۳ سے نہیں ملتا۔

اور وہ واحد جو نشانے اعداد سے سب میں ہے لیکن ہر عدد کی حقیقت متمیزہ مطلق مد کی بعین نہیں ہے۔ مطلق عدد کی حقیقت مطلق جمع اعداد ہے۔ اور وہ ہر عدد کی حقیقت متمیزہ سے جدا نہیں ہوتی۔ اثنین یعنی دو کی ایک جدا حقیقت ہے اور ثلث یعنی تین کی بھی ایک جدا حقیقت ہے۔ ایسا ہی جہاں تک یہ مرتبہ بڑھتے جائیں ہر ایک کی حقیقت خاص ہوتی جائے گی۔ اگرچہ سب کی حقیقت ایک ہے۔ یعنی مجموعہ احاد۔ مگر اعداد سے ایک کی حقیقت بعینہ دوسرے کی حقیقت نہیں ہے اور جمع احاد کا لفظ سب اعداد کو شامل ہے۔ اسی واسطے تم ان مراتب اعداد کو اس حقیقت جامع سے کہتے ہو۔ اور ان مراتب اعداد پر اس حقیقت جامعہ و مطلق عدد کا حکم کرتے ہو۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ مراتب اعداد میں ہیں۔ ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷-۸-۹-۱۰-۲۰-۳۰-۴۰-۵۰-۶۰-۷۰-۸۰-۹۰-۱۰۰-۱۰۰۰-۱۰۰۰۰۔ انہی مراتب میں ترکیب داخل ہو کر غیر متناہی اعداد پیدا ہوتے ہیں۔ پس واحد ہی پر کثیر کا حکم لگتا رہے ہو جو تمہارے نزدیک اس سے بالذات منفی ہو۔ جس نے اس تحقیق کو سمجھ لیا جس کو ہم نے اعداد میں بیان کیا ہے تو وہ جان لے گا کہ حق جو کثرت سے منزہ ہے وہی نشانہ اور اصل ہے خلق مشبہ کا۔ کیونکہ واحد سے عدیت کی نفی کرنا ہی اس کا اثبات ہے۔ اگرچہ خلق خالق سے متمیز ہے۔ مگر حقیقت وجود کے لحاظ سے ایک ہی شے خالق بھی ہے اور مخلوق بھی۔ اور وہی مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ تمام مخلوقات ایک ہی عین حقہ سے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ وہی عین ذات واحدہ حقہ اعیان و ذوات کثیرہ میں نمایاں ہے۔

اب دیکھو تمہاری رائے کیا ہے۔ کیا تمہاری رائے میں وحدت عین ذات واحدہ ہے۔ کہ رویت حق، رویت خلق سے مانع نہ ہو یا کثرت اعیان و ذوات کثیرہ ہے۔ کہ رویت خلق، رویت حق سے مانع ہو۔ یا وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت ہے۔ کہ ایک دوسرے کی رویت سے مانع نہ ہو۔

کہاں اسماعیل علیہ السلام نے بر بنائے قول مجبور علمائے اسلام اندر خلق علیہ السلام نے (بر بنائے قول شیخ عربی) ابراہیم علیہ السلام سے کہا اے میرے باپ!

جزو چہارم

قبیل کیجئے جس کا آپ کو امر کیا گیا ہے۔ اور بٹیا تو باپ کا عین ہی ہے۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سوا کسی اور کو ذبح کرتے نہیں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک بڑی قربانی دی۔ مینڈھے کی صورت میں وہی تو ظاہر ہوا جو انسانی یعنی ابراہیم کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ اور بیٹے یعنی اسماعیل علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ نہیں۔ بیٹے کے حکم کے ساتھ وہی ظاہر ہوا جو والد کا عین تھا۔

اور اُسی نفس سے اُس کے جوڑے کو پیدا کیا۔ تو گویا اُس نے اپنے ہی نفس سے نکاح کیا۔ پس اُسی سے اُس کا جوڑا اور بیوی ہے اور اُسی سے اُس کی اولاد ہے۔ جب اعداد میں واحدی کا ظہور ہے۔ تو طبیعت و صورت نوعیہ یا اودہ عالم کیا ہے؟ اور طبیعت سے پیدا ہونے والے جزئیات کیا ہیں؟ ہم نے تو نہیں دیکھا۔ کہ طبیعت سے جو جزئیات ظاہر ہوتے ہیں، اس سے طبیعت میں کچھ کمی ہو گئی ہو۔ یا نہ ظاہر ہونے سے کوئی چیز زیادہ رہتی ہو طبیعت سے جو ظاہر ہوا ہے اُس کا غیر نہیں۔ اور طبیعت عین مظاہر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ صورت جدا ہیں ان کے احکام جدا ہیں۔ یہ سرد و خشک ہے، وہ گرم و خشک ہے، خشکی دونوں میں مشترک ہے۔ سرد و گرم ابہ الامت یا زہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والے ہیں۔ ان جزئیات کو جمع کرنے والی طبیعت ہے؟ نہیں بلکہ جزئیات عین طبیعت ہے عالم طبیعت یا عالم حقائق نکات کیا ہے؟ ایک آئینے میں نظر آنے والی مختلف صورتیں ہیں؟ نہیں بلکہ ایک ہی صورت مختلف صورتوں میں اعیان کے نمایاں ہے۔ یہاں حیرانی ہی حیرانی ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی دید جدا ہے۔ مگر ہم نے جو کہا اگر اُس کو سمجھ سکو تو کوئی حیرانی نہ ہو۔

اگر کوئی عارف علم کی ترقی میں ہو اور دہ زدن عالمی دعا کرتا ہو تو یہ ترقی و زیادت محل ہی کے افتخار سے ہے۔ اور محل بعینہ عین ثابتہ ہے۔ پس انہیں عین ثابتہ کے سبب سے حق تعالیٰ مظاہر میں نئی نئی تجلیات سے جلوہ فرما رہے ہیں۔

10

محل یوم فهو فی شان رحلت صدقہ ہر دم تار و دست سے  
 پیران مختلف منہ ہر گاہ گھٹا ہے حق تعالیٰ پر عیش و شادی نے  
 حلام لگتے ہیں اور انہی اسی حلام کو کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ پر عیش و شادی  
 حاکم ہے پس یاں اس کے سوانے اور تے بے نی ہیں

کوئی نہیں ہے اس کے وہ اللہ الہ رب العالمین

فَالْحَيُّ خَلَقَ مَا كَانَ لَهُ حُفَيْدًا فِي عَمَدٍ وَ

یس حق تعالیٰ بروح اعتقیدہ تعریف کر کے یہ فرماتا ہے: **وہی اللہ الخ**

وَلَيْسَ خَلْقُكَ بِكَ الْوَجْهَ تَارِكًا

اور جہت اطلاق سے غایت نہیں ہے اس کو یاد رکھو

من يذنبنا قلت له اخذ رخصة

جس نے میری بات سمجھ لی اس کی دلجوئی سے وہ سے فائدہ ہو گیا

والتقيد بالسنن

ان کو سوائے دل بتیار کرنے والے کے۔۔۔ نہیں سمجھ سکتا۔

جمع و ترقى فان نعتن واحدا

تم جمع و فرق کرو۔ اطالاق و تقييد سے فاعل موصو کہ ذات معتر

ایک ہی - 4

وَمِمَّنْ كُنْتُمْ تُلَاقُونَ وَيُتَذَكَّرُونَ

وہی ذات واحدہ کثیرہ بھی ہے۔ اور وہ نہایت کرکتمی ہے :

حضرت

ہم علیٰ ہدف وہ ہے جسکو اس کا گناہ روز وہ اس کے سب سے تہم

صفات متفقہ موجودہ اور صفات عدمیہ خواہ اضافیہ ہوں خواہ مسلمہ خواہ کفریہ

میداد بر مشاغل بر

داخلہ ہو گا۔ خیریت و محمودیت و جود سے اور شریعت و مذمت سے

بہد امتوں کے لیے حق مسلم محدث جو عین وجود اور اصلاحی ہے اس کے

غیریت ہی منسوب ہوگی۔ مگر بظاہر اصل اسرار ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

جزد چارم

کوئی صفت اُس کے کمال سے خارج اور اُس سے فوت نہیں۔ خواہ وہ صفات  
 زیادہ کثرتاً مشرعا تصور و تصور یا مذموم۔ یہ کمال عیلا لفظ اللہ کے مستحق اور ذات حقہ  
 کے ساتھ خاص ہوگا جو مستماتے اللہ کا غیر ہوگا۔ وہ یا وجود ملحق و ذات حقہ  
 کے مظاہر و مجانی اور تجلی سماہ سے ایک مظہر ہوگا۔ یا اُس میں کوئی صورت یعنی  
 اسم الہی یا صفت حقہ ہوگی۔ اگر وہ غیر اُس کا مظہر ہے تو ضرورتاً تفاوت واقع  
 ہوگا۔ کیونکہ ہر ہر مظہر میں ایک خاص تجلی ہے۔ اور اگر اس میں کوئی خاص صورت  
 ہوگی تو وہ صورت یا اسم الہی ذات حقہ اور مستماتے اللہ کا کمال ذاتی ہی ہوگا۔  
 کیونکہ یہ صورت اُس ذات کی عین ہے جس میں یہ نمایاں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ  
 اسمائے الہیہ باعتبار منشائے عین ذات ہیں۔ جو کمال مستماتے اللہ کے لیے ہے  
 وہی اُس صورت کے لیے ہے۔ بہر حال اسمائے الہیہ لا عین والا غیر ہیں۔ عین ہیں  
 باعتبار ذات و منشائے غیر میں باعتبار مفہوم و انتزاع ذہنی کے۔

اور ابو القاسم بن قسی نے اسی تحقیق کی طرف اپنی کتاب خلیع التعلیم میں  
 ان لفظوں سے اشارہ کیا ہے۔ کہ ہر اسم الہی پر دوسرے کا اطلاق کیا جاتا، امداس کی  
 صفت ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔ ہوا اللہ الخالق الباری المصور۔ اس کی  
 وجہ یہ ہے کہ ہر اسم میں دو امر ہوتے ہیں (۱) ذات (۲) صفت۔ صفت اس معنی پر  
 دلالت کرے گی جس کے لیے یہ لفظ موضوع اور مقرر کیا گیا ہے مثلاً الرحمن  
 کہ اس میں ذات حقہ ہے اور صفت رحم بارحمانیت ہے۔ اور ان دونوں پر  
 اسم الرحمن دلالت کرتا ہے۔ پس باعتبار اسم الہی کے ذات الہی پر دلالت کرنے کے  
 تمام اسماء اسی اسم الہی کے ہیں اور باعتبار صفت خاص پر دلالت کرنے کے ہر ایک  
 اسم الہی دوسرے سے ممتاز و جدا ہے۔ جیسے الرب۔ الخالق۔ المصور وغیرہ وغیرہ۔  
 پس اسم عین شئی ہے باعتبار ذات کے یا غیر شئی ہے باعتبار صفت خاص کے  
 جس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے۔

جب تم نے علی کے جو معنی ہم نے بیان کیے ہیں، سمجھ لیے تو تم یہ بھی  
 سمجھ گئے ہو گے۔ کہ حق تعالیٰ باعتبار تنزیہ ذات کے علو مکان علیہ کائنات  
 سے پاک ہے۔ کیونکہ علو مکانت حاکموں اور ولیوں۔ بے مختص ہے جیسے



توجه

# فصول الحکم

جزو پنجم

(۵) فضل حکمت مهمیه



# فصل حکمتِ مہمیت

## کلمہ ابراہیمینہ کے بیان میں



حضرت ابراہیم کا نام خلیل رکھا گیا۔ اس لیے کہ وہ تمام صفات الہیہ میں  
سرایت کر گئے تھے یعنی حضراتِ اسما میں داخل اور ان کا مجلی و منظر ہو گئے تھے۔  
ان تمام صفات کو حاوی و جامع تھے جن سے ذات الہیہ تصف ہے۔ ایک شاعر

کہتا ہے ۛ

قَدْ خَلَلْتُ مَسَلَّكَ الرُّوحِ مَنَى ۛ وَ بَدَأْتُ لِلْخَلِيلِ خَلِيلًا ۛ

تو میرے جسم میں دماں دماں داخل ہو گیا ہے۔ جہاں جہاں میری روح  
داخل ہوتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ دوست کو خلیل کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسمائے الہیہ میں داخل ہونا ایسا ہے  
جیسے رنگ جو عرض ہے کپڑے میں، جو جوہر ہے داخل ہوتا ہے اور کپڑے کے  
ہر حصے میں رنگ سرایت کرتا ہے۔ خلیل کا اسمائے الہیہ میں داخل ہونا ایسا نہیں ہے  
جیسے مکین، مکان میں حلول کرتا ہے۔

یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اس لیے ہوا کہ حق تعالیٰ صورتِ جود میں ابراہیم  
میں داخل ہو گیا ہے۔ خداوند یہ صورتہ روحانی ہو۔ جسمانی دنیاوی ہو یا اخروی۔  
یا اس لیے کہ حق تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہر ایک اثر میں داخل ہو گیا ہے جو جود صورتہ برائی پر  
صیح ہے۔ یا یہ کہ ستریاں خلیل اسمائے حق میں اور ستریاں حق نامہ آثار خلیل میں۔  
دونوں صیح ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کے لیے ایک محل ہے۔ جہاں وہ ظہور کرتا ہے اور  
وہ حکم اس محل سے تبادلاً نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ حیثیت نہیں و تقدیر کے  
صفا سے محدثات و مخلوقات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو خود حق تعالیٰ نے قرآن  
میں فرمایا ہے۔ اور صفات نقص و صفات ذم سے بھی موصوف ہوتا ہے مگر فور  
کرنے سے معایز ہوتا ہے کہ حقیقۃً بالذات وہ نقص تین ظہور کی وجہ سے اور  
اس کی صفت ہے۔ جیسے اللہ یستغنی بہم۔ اشران کاٹھا اڑتا ہے۔  
یعنی اُن کے بڑھنے اڑانے کا بدلہ لگتا ہے۔ اور و مکر و او مکر اللہ واللہ خیر  
الماکرین۔ اُنہوں نے مکر کیا۔ اور اشد نے بھی اُن کے ساتھ ویسا ہی کام کیا۔  
اور اُن کے مکر کا بدلہ لایا۔ اور خفیہ و پوشیدہ کام کرنے والوں میں خدا سے بڑھ کر  
کون بہتہ اور موصفت ظہر تعدلی میں یا رہا تھا تو نے میری عیادت  
نہیں کی۔

اور ستریاں حق ہے صورتہ ثبات و مخلوقات میں۔

اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسان کامل حق تعالیٰ کے تمام صفات سے  
بہرہ و جوہ و استغنائے ذاتی کے موصوف ہوتا ہے۔ تمام صفات حق کے مخلوق  
خصوصاً انسان کامل کے لیے ثابت ہیں۔ جیسے کہ مخلوقات و محدثات کے صفات  
حق کے اصل وجودات خاصہ ہونے کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں۔  
الحمد للہ تعریف اشد ہی کے لیے ہے۔ یعنی تعریف کرنا اور تعریف  
کیا جانا انجام کے لحاظ سے دونوں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں پس وہی  
حامد ہے۔ وہی محمود ہے۔

والیہ بیجمع الامم کلد۔ اشد کی طرف تمام کار و بار رجوع کرتا ہے۔ پس یہ  
ارشاد مذموم و محمود و نزل کو عام ہے۔ اور واقعہ اور عالم میں کوئی چیز محمود و مذموم

جو دیکھ

ہونے سے خالی نہیں۔

واضح ہو کہ کوئی چیز کسی چیز میں سرایت کرتی اور اس میں داخل ہوتی ہے تو شے ساری کو وہ شے جس میں سرایا ہوا ہے لے لیتی اور چھپا لیتی ہے پس متحمل (بصیغہ اسم فاعل) یعنی ساری متحمل فیہ (بصیغہ اسم مفعول) یعنی جس میں سرایا ہوا ہے۔ پوشیدہ و مخفی رہتا ہے۔ اور وہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور باطن ظاہر میں بطور غذا کے رہتا ہے۔ جیسے پانی صوف میں داخل ہوتا ہے۔ تو صوف پانی سے بڑھتا اور پھولتا ہے۔ پس اگر حق تعالیٰ ظاہر ہو تو بندہ مستور و مخفی ہوتا ہے اور بندے کی نظر میں احکام و آثار حق تعالیٰ کی طرف مستند رہتے ہیں۔ پس بندہ حق تعالیٰ کے اسما ہو جاتا ہے۔ جیسے سمیع و بصر وغیرہ۔ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کا ماتم ہو گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کو دینا ہوتا ہے تو بندے کے ذریعے سے دیتا ہے وغیرہ۔ اور یہ نتیجہ ہے قرب فراغ کا۔ اور اگر بندہ ظاہر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ باطن ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ بندے کی بصارت۔ ماتم۔ پاؤں اور جمیع قوی ہو جاتا ہے۔ یعنی بندہ جو کام لیتا ہے۔ حق تعالیٰ سے لیتا ہے۔ اور یہ نتیجہ قرب و نوافل اور صدق و توکل کا ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔

اگر ذات حق کو تمام نسبتوں اور اضافتوں سے تعلق نظر کر کے دیکھیں۔ اور صرف ذات لمحوظ ہو تو اس میں اللہ ہے نہ بندہ ہے۔ واضح ہو کہ کبھی لفظ اللہ کہتے ہیں۔ اور ذات حقہ مراد لیتے ہیں۔ اس وقت اسم اللہ اسم ذات ہوتا ہے۔ اور اس کے مقابل کوئی نہیں رہتا ہے اور کبھی لفظ اللہ کہتے ہیں اور اس سے شان الوہیت مراد لیتے ہیں جس کے مقابل بندہ ہے۔

مقام وصل میں سوچو تو اللہ ہے نہ بندہ ہے  
یہ نسبتیں کہاں سے پیدا ہوئیں۔ ہمارے اعیان نے ان نسبتوں کو پیدا کیا۔ ہم بندے ہیں تو وہ اللہ معبود ہے۔ ہم عابد ہیں تو وہ معبود ہے۔ ہم محب ہیں تو وہ محبوب ہے۔

میری محبت میں مخفی      یار کی محبوبیت ہے

میرزا غلام

نہ نیاز تھا تو نہ ناز تھا نہ در کس سال ہی باز تھا (حسرت صدیقی)

میری جان انا جاں تھا نہاں راترا ناز میرے نیاز کیا

میں ہم معلوم ہوں گے تو اسی نسبت سے ہم کو اللہ تعالیٰ کا علم بھی ہوگا۔  
یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ یعنی  
خود شناسی میں خدا شناسی ہے۔

خود نہیں ہے خدا، سہی (حسرت صدیقی) اس میں راز حقیقت ہے  
ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلق سے زیادہ خدا شناس  
ہیں۔ اور یہ آپ کا ارشاد ہے۔

بعض حکماء اور امام ابو حامد محمد غزالی نے دعویٰ کیا کہ عالم میں نظر کیے بغیر  
اللہ کا علم ہو سکتا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔

دراصل یہ کہ امام غزالی لفظ اللہ کہہ کر ذات حقہ مراد لے رہے ہیں۔  
شہدا اللہ ان لا الہ الا هو۔ اللہ شہادت دیتا ہے کہ اُس کے سوا کئے کوئی  
معبود نہیں۔ کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہم عوفت اللہ کس  
چیز کے ذریعے آپ نے اللہ تعالیٰ کو سمجھا۔ آپ نے فرمایا باللہ عوفت الاشیاء  
اللہ ہی کے ذریعے سے میں نے سب کو سمجھا۔ اور شیخ ابن عربی لفظ اللہ کہہ کر معبود بحق  
مراد لے رہے ہیں۔ اور یہ اختلاف لفظ اللہ کہہ کر معبود بحق مراد لے رہے ہیں۔  
اور یہ اختلاف لفظ اللہ کے دو مقام میں مشترک طور پر مستعمل ہونے سے پیدا ہوا۔  
نہی فی الحقیقت حضرت غزالی و حضرت ابن العربی میں کوئی اختلاف نہیں۔  
اُن ایک ذات قدیم ازلی بیک معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُس کی الوہیت و معبودیت  
تو بند ہے کی نسبت سے معلوم ہوگی پس عالم اللہ پر بمعنی معبود بحق دلالت  
کرتا ہے۔ پھر عالم سے اللہ و معبود کی معرفت کے بعد تم پر منکشف ہوگا کہ خود  
حق جل مجدہ اپنے آپ یعنی وجود ذات پر دلیل ہے۔ اپنی الوہیت پر  
دلیل ہے۔

یہ عالم کیا ہے۔ ذات کی اعیان ثابتہ پر تجلی ہے۔ ان اعیان ثابتہ کا  
وجود بغیر وجود حق کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ ذات حق ہی حقائق اعیان ثابتہ اور

بجز وہ

اُن کے احکام کے لحاظ سے رنگا رنگ و متنوع ہوتا اور صورت پذیر و ظاہر ہوتا ہے مگر یہ سب اسی وقت ہوتا ہے کہ ہم پہلے اُس کو اپنا معبود مان لیں۔ پھر ایک اور کشف ہوتا ہے اور ذات حق میں ہماری صورت خود ہم کو ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ذات حق میں بعض بعض کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بعض بعض سے تمیز و امتداد ہوتے ہیں۔ پھر عارفین میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ ہماری یہ بات بھی معرفت حق تعالیٰ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو نہیں جانتے کہ دوسروں کا جاننا کس میں اور کس حضرت اور محل میں واقع ہے۔ اعوذ باللہ ان اکون من الجاہلین۔ جاہلوں میں ہونے سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ ان دو کشفوں میں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جو ہمارے عین ثابتہ اور حقیقت کا اقتضا ہے۔ نہیں نہیں۔ ہم خود اپنے نفسوں پر ہمارے عین ثابتہ کے اقتضا کے مطابق حکم کرتے ہیں۔ مگر یہ حکم علم حق میں ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل للہ الحجۃ الی اللہ یعنی محبوبین اور غافلین پر اللہ کی پوری حجت قائم ہے جب وہ اُن باتوں میں جو اُن کے اغراض کے موافق ہیں حق تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ تو نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا پس قیامت کے روز اُن پر اصل حال منکشف ہو جائے گا جو آج یہاں دنیا میں عارفوں کو منکشف ہو چکا ہے۔

وہ دیکھ لیں گے کہ حق تعالیٰ نے اُن کے ساتھ وہ کام نہیں کیا جس کا انھوں نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ اُس کو حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ بلکہ وہ کام انھی کے عین ثابتہ کا اقتضا تھا۔ کیونکہ خدا کے تعالیٰ اُن کو ایسا ہی جانتا تھا۔ جیسے وہ نفس الامور میں تھے۔ لہذا ان محبوبین کی حجت باطل ہو جائیگی۔ اشاعت حضرت صدیقی

جس کی جیسی لیاقت ہے

دیتا ہے ہر اک کو حکیم

جس کی جیسی فطرت ہے

وہی نمایاں ہوتا ہے

ظاہر ہوتی صورت ہے

قدر و سعادت ہے

کر تا رب العزت ہے

ظاہر خیر و شر سب کا

منشا کیونکہ طبیعت ہے

بڑا بھلا ہم کرتے ہیں

جزو پنجم

اگر تم کہو کہ تو لا تعالیٰ فلا و شاء لہذا لکوا جمعین کا کیا فائدہ؟ یعنی اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرف "لو" لا متناع الشانہ لا متناع الاول کے لیے ہے۔ یعنی جزا اس لیے ممتنع ہے کہ شرط ممتنع ہے پس نہ اللہ نے چاہا نہ سب کو ہدایت دی۔ اللہ نے تو وہی چاہا جو نفس الامر میں اور عین کا اقتضا تھا۔

ہر چند کہ عقل کے پاس عین ثابتہ ممکن بحیثیت ممکن ہونے کے وجود و عدم خیر و شر کے اور اس کے نقیض کا قابل و متحمل ہے۔ پھر ان دو عقلی حکموں میں سے جو واقع ہو جائے وہی عین ثابتہ کا مقتضی تھا۔ اور لہذا لکوا کے معنی لبائن لکوا کے ہیں۔ یعنی اگر چاہتا تو تم پر ظاہر کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کی چشم بصیرت ایسی نہیں کھولی کہ اشیاء کی فطرت اور ان کی حالت نفس الامر کی کو جانتا ہو۔ کیونکہ بعض لوگ اقتضائے عین سے عالم ہیں اور بعض جاہل۔ اسی لیے نہ سب کی ہدایت چاہی نہ سب کو ہدایت کی اور نہ سب کی ہدایت چاہی گئی۔ یہ تو لویشاء تھا۔ ان یشاء (اگر چاہے) اور فعل یشاء (کیا خدا چاہے گا) کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کبھی خلاف اقتضا و منافی حکمت نہ کرے گا۔ ہماری یہ تمام بحث اس شے کے متعلق ہے جو ہونے والی نہیں ہے۔ ارادۃ الہی کو سب سے برابر قائل ہے۔ پھر جس کی فطرت میں ہدایت ہوگی ہدایت پائے گا اور جس کا اقتضا ہوگا ضلالت پر رہے گا۔

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے۔ مشیت الہی ایک نسبت ہے۔ تابع علم ہے۔ اور علم تابع معلوم ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ اُسی کا ارادہ کرتا ہے۔ جو جانتا ایسا ہی ہے جیسا کہ معلوم نفس الامر میں ہے۔

غرض کہ معلوم علم کا تابع نہیں ہوتا۔ بلکہ علم معلوم کا تابع ہوتا ہے۔ پس معلوم وہی دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود نفس الامر میں ہے۔ معلوم کیا ہے؟ تم ہو اور تمہارے حالات ہیں۔ خطاب الہی یعنی اور امر و نواہی خداوندی کس کے موافق ہوتے ہیں۔ چونکہ نظر و فکر عقلی پر سب کا اتفاق ہے۔ اور اصحاب کشف و شہود مکمل ہیں۔ لہذا

جزد چہارم

خطاب الہی موافق عقل دیا گیا۔ موافق کشف نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن تو بہت ہیں اور عارف اور صاحب کشف کم ہیں۔

اور ہم لوگوں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے۔ اور ایک مرتبہ علم الہی میں معین ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔ وہ مقام کونسا ہے؟ وہ مقام وہ ہے جس کے ساتھ علم الہی اور مرتبہ نبوت میں تھے پھر اس کے ساتھ تم وجود خارجی میں ظاہر نمایاں ہوئے۔ یہ تو اس نظر پر مبنی ہے۔ کہ تمہارے لیے وجود ہے اگر اس نظر سے دیکھو کہ وجود حق تعالیٰ کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ تو تمہارے مخصوص احکام و آثار کے حاکم بیشک تم ہو۔ مگر وجود حق میں۔ اور اگر تمہاری نظر میں تم موجود بوجہ بالعرض ہو تو بیشک وجود حق مرآۃ اعیان ہو گا۔ اور وجود حق کے توسط سے اعیان و حقائق نمایاں ہوں گے تو اس صورت میں یعنی تمہیں حاکم ہو گے۔ اور حق تعالیٰ افاضہ عطاۓ وجود کرے گا مگر کوئی حکم تمہارے عین ثباتہ کے خلاف نہ دے گا۔ بہر حال تم پر تمہارے طرفہ ہی احکام و آثار منسوب ہوں گے۔ لہذا تعریف کرو تو تم اپنی مذمت کرو تو تم اپنی حق تعالیٰ کے لیے افاضہ و اعطاء وجود کی حمد رہی۔ کیونکہ وجود کا عطا کرنا تمہارا کام نہیں۔ حق تعالیٰ کا کام ہے۔ جب حق تعالیٰ شہود ہو اور اعیان حقائق اور آئینے مرایا ہوں، تو تم ذریعہ احکام ہو گے۔ اور جب اعیان کو موجود جانو اور وجود حق مرآت و ذریعہ ہے تو حق تعالیٰ علم وجود کا ذریعہ ہو گا۔ پس جس طرح تم ذریعہ علم ہو۔ وہ بھی ذریعہ علم ہے پس حکم کبھی اس سے تم کو پہنچتا ہے۔ کبھی تم سے اس کو پہنچتا ہے۔ مگر تم مکلف کہلاتے ہو وہ مکلف نہیں کہلاتا۔

مگر حق تعالیٰ اُسی چیز کا تم کو مکلف کرتا ہے جس کو تم نے زبان حال سے طلب کیا تھا اور جس حال میں اس قدر اور پر تم نفس الامر میں تھے لہذا وہ مکلف نہ ہوا اور تم مکلف ہوئے۔

فیحمدانی واحمداء۔ حق تعالیٰ مجھ پر افاضہ وجود فرما کر کئی راہ سے حمد کرتا ہے۔

(۱) میرے کمالات نمایاں کر کے (۲) بندوں کی اپنے کلام سے تعریف کرتے وقت۔

(۳) بندوں کی زبان سے۔

اور میں اس کی حمد کرتا ہوں۔

جوزیم

۱۱) زبانِ قائل سے (۱۲) زبانِ حال سے (۱۳) زبانِ فعل سے۔

وَيَعْبُدُنِي وَأَعْبُدُونِي ۝ وہ مجھے سرفراز کرتا ہے جو کچھ میں اپنی زبانِ حال سے  
زبانِ استغداد و وجود توابع وجود سے سوال کرتا ہوں۔ اور میں اُس کی عبادت  
کرتا ہوں۔ ظاہر میں اُس کے حدود و حقوق داؤد امر و نواہی کی پابندی کر سکے۔  
اور باطن میں تجلیات ذاتیہ و اسبابیہ قبول کر سکے۔

فَفِي حَالٍ أَقْسَرُ مِنْهُ ۝ مراتبِ الہیہ میں اپنی حقیقت کی راہ سے اس کا  
اقرار کرتا ہوں۔

وَفِي الْأَعْيَانِ أَخْبَرُ ۝ اور جب اعیانِ خارجیہ میں تجلی کرتا ہے تو امتیاز  
کی وجہ سے اُس سے انکار بھی کرتا ہوں۔

فَيَعْرِفُنِي وَاسْكُرْ ۝ وہ تو مجھے تمام مقامات میں جانتا ہے مگر میں اُس کو  
ہر جگہ نہیں جانتا۔

وَأَعْرِفُكَ فَاشْهَدْ ۝ جب حجابات اٹھ جاتے ہیں تو اُس کا شہود مجھے  
حاصل بھی ہو جاتا ہے۔

فَأَتَى بِالْغَنَى وَأَنَا ۝ ہر چند کہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات و وجود کے لحاظ سے  
غنی ہے۔ مگر

أَسْأَلُكَ وَأَسْعِدُكَ ۝ اظہارِ اسما و صفات میں مظاہر کی ضرورت ہے لہذا  
ممکنات و مخلوقات سے اُس کو اعانت و مساعدت ہے۔

إِنَّكَ الْخَلْقُ وَحْدَكَ ۝ اسی اظہارِ کمالات کے لیے حق تعالیٰ نے ممکنات کو  
ایجاد کیا۔ پیدا کیا۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ وَجِدَكَ ۝ میں اس کو جانتا ہوں۔ اور اپنے اور طالبین کے خیال  
میں اُس کی صورت قائم کرتا ہوں۔

هَذَا أَجَاءَ الْخَلْقِ لَنَا ۝ حدیث: کُنْتُ كُنْزًا خَفِيًّا فَاحْبَبْتُ أَنْ يُزِنَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ۝  
ابت ہوتا ہے کہ غایتِ ایجادِ خلق معرفتِ الہی ہے

وَحَقَّقَ فِي مَقْصِدِكَ ۝ اور یہی اُس کا مقصد ثابت ہوتا ہے۔  
اور جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ مرتبہ ہوا کہ وہ تمام حضرات

جز ہفتم

و مقامات اسمائے الہیہ میں داخل ہو گئے تھے جس کے سبب سے بن کا نام خلیل  
ہوا۔ تو اسی لیے انھوں نے مہمانی، نیافت کا طریقہ جاری کیا۔ اور اربع سو ست  
بجلی ابراہیم علیہ السلام کو میکائیل علیہ السلام کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ اجنس کا  
خیال ہے کہ بروز قیامت عرش الہی کو چار فرشتے اور چار پیغمبر اٹھائیں گے جس  
پایے پر جناب میکائیل ہوں گے اُسی پایے پر حضرت ابراہیم بھی ہوں گے۔

مرزوقین کی غذا رزق سے ہوتی ہے۔ رزاق ذات مرزوق میں، یعنی  
کھانے والے تن میں اس طور سرایت کرتا اور داخل ہو جاتا ہے کہ کوئی عضو  
بغیر سریان غذا کے باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح حضرت خلیل اللہ تمام مقامات الہی  
میں سرایت کر گئے۔ مقامات الہی کی تعبیر اسمائے کرتے ہیں۔ کیونکہ غذا متصفہ  
یعنی کھانے والے کے ہر جزو میں سریان کرتی ہے اور ذات حق تو بسیط ہے۔  
مرکب نہیں ہے۔ تو اُس کے اجزاء بھی نہیں۔ اُس کے تو اسماء ہیں جن میں حق تعالیٰ  
کی ذات سریان کرتی ہے۔ لہذا خلیل کا سریان ذات الہی میں تو ہو نہیں سکتا۔  
پس حضرات اسماء میں ہو سکتا۔

فَقَدْ لَدَّ كَمَا ثَبَتَتْ

جس طرح ہمارے اعیان خارجیہ، اعیان ثابتہ کے منظر ہیں۔ اسی طرح۔

أَدَلَّتْنَا وَنَحْنُ لَنَا

ہمارے اعیان ثابتہ بھی اسمائے الہی کے منظر ہیں۔ یہ ہمارے پاس دلائل سے ثابت ہے۔

وَلَيْسَ لَدَّ سِوَايَ كَثَرَتِي

فَقَدْ لَدَّ كَثَرَتِي لَنَا

اور اُن کا منظر انسان کے سوا کوئی نہیں۔ لہذا جیسے ہم ہمارے اعیان کے

منظر ہیں، ایسے ہی ہم حق تعالیٰ کے بھی منظر ہیں۔

فَلَيْ وَجْهَانِ هُوَ وَآمِنَا

وَلَيْسَ لَدَّ إِنَابَانَا

ممکنات کے دو وجہ اور پہلو ہیں۔ جہت اطلاق و ہویت حق سے

وہ ہے اور جہت تعقید سے میں یا ہم ہیں۔ حق تعالیٰ کی انانیت ہمارے انانیت میں

بعد و محسنات میں سب

دو تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

اور تہائی میں سے دو تہائی

ترجمہ

# فصول الحکم

جزو ششم

فصل حکمت حقیقہ و اسباقیہ  
(۶)



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تہذیب

فقیر مترجم اس فص کی شرح و ترجمہ کرنے سے پہلے چند مسائل کی تحقیق کر دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس فص کے سمجھنے میں شراح کو بہت سی غلطیاں لگی ہیں۔

**مسئلہ۔** عالم شہادت کا مرتبہ۔ عالم خیال و مثال سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ ایک شخص نے مکاشفے یا خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ دوسرے نے عالم شہادت میں حضرت کو دیکھا۔ کیا دونوں برابر ہیں۔ ہرگز نہیں۔ عالم شہادت میں جو شخص دیکھے وہ صحابی رسول ہے۔ جو خواب یا کشف میں دیکھے وہ صحابی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ صالحین سے ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اولیاء میں سے سمجھا جائے گا۔

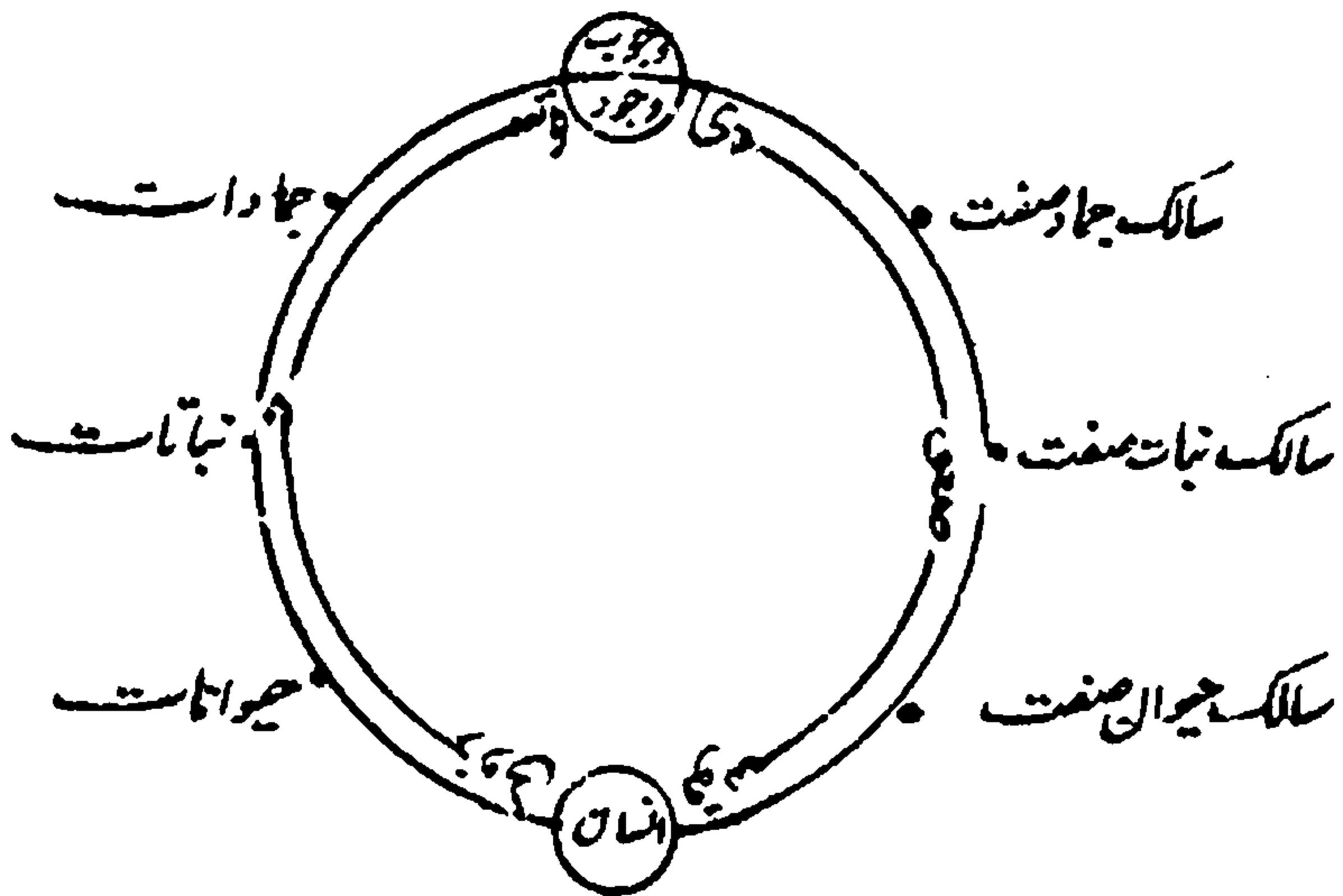
**مسئلہ۔** اگر کسی نے خواب یا کشف میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ نے اُس کو کچھ فرمایا۔ یہ فرمودہ عالم شہادت کے فرمودے کے برابر نہ ہو گا اور نہ دوسروں پر حجت ہو گا۔ بخلاف عالم شہادت کے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے حضرت کو یہ فرماتے سنا ہے تو یہ حدیث نبوی ہے۔ مَا آتَاكَ الرَّسُولُ فَخُذْ وَلَا وَمَا نَهَاكَ عَنْهُ فَانْتَهُوا سے واجب الطاعت ہے۔

**مسئلہ۔** اگر قرآن شریف و حدیث نبوی میں اختلاف معلوم ہو رہا ہے تو حدیث کی تاویل کرنی چاہیے۔ اگر حدیث متواتر یا مشہور کے مقابل کوئی حدیث احاد واقع ہو تو حدیث احاد کی تاویل ضروری ہے۔ اگر عالم شہادت کی حدیث اور روایا



کہ حق تعالیٰ سے سلسلہ تکوین وخلق میں جس قدر قرب ہوگا اسی قدر خیریت و افضلیت ہوگی۔  
اور جس قدر بعد ہوگا۔ اتنی ہی شریت بڑھے گی۔ مثلاً پہلے ذرا تباہی یا ہبائے فشوہ میں۔  
پھر جمادات پھر نباتات پھر حیوانات۔ پھر انسان۔ یہ دائرہ وجود کا قوس نزولی ہے۔  
پھر انسان ترقی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت حق جل و علا سے واصل ہو جاتا ہے۔ یہ قوس  
صعودی ہے۔

انسان کا ابتدائی نقطہ جس میں وہ بندہ عقل رہتا ہے۔ سب سے بدتر ہے۔  
حیوانات اس سے بہتر ہیں۔ ان سے بہتر نباتات۔ ان سے بہتر جمادات ہیں۔  
اور اقرب الی اللہ ہیں۔ پھر جب انسان سالک راہ خدا ہوتا ہے۔ اور ترقی کرنا شروع  
کرتا ہے تو وہ حیوان صفت بنتا ہے۔ یعنی احکام الہی کے مقابل اپنی رائے کو  
دخل نہیں دیتا۔ صرف جزی طور پر اس کی عقل کام کرتی ہے۔ پھر جزی طور پر بھی عقل کام نہیں  
کرتی۔ بلکہ سالک تحت الہام ہوتا ہے۔ اور وہ سالک نباتات صفت کہلاتا ہے۔  
پھر تمام قوائے طبعی۔ علم۔ سماعت۔ بصاست۔ قوت ارادہ سب کچھ کھویا جاتا ہے۔  
اس وقت وہ سالک جمادات صفت ہو جاتا ہے۔ اس کے کمال پر فنا ہے۔



مسئلہ۔ حضرت ذبیح اللہ کیا حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق۔  
عیسائیوں اور یہودیوں کا اذعا ہے کہ حضرت اسحاق تھے۔ محققین تاریخ کا دعویٰ ہے کہ  
حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انا بن الذبیح بن یسعی حضرت اسماعیل اور عسہد اللہ حضرت کے والدہ بڑھتی کہ  
 حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں نہ کہ حضرت  
 اسحاق کی اولاد سے۔ حضرت اسماعیل کا خاندان حضرت ابراہیم کے زمانے سے اب تک  
 مکہ شریف میں آباد ہے۔ اور قربانی کا طریقہ اُس وقت سے اب تک بنی اسماعیل میں  
 جاری ہے۔ بی بی ماجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت اسماعیل کی والدہ کا بچے  
 کے لیے پانی ڈھونڈنے کے لیے بقیارہ ہو کر صفا مردہ پر چڑھنا۔ حضرت اسماعیل کے  
 پیر مارنے سے زمزم کا کنواں نکلتا۔ حضرت ابراہیم کا حضرت کوذبح کے لیے لے کر  
 نکلتا۔ راستے میں شیطان کے بہکانے اور ذبح سے روکنے کی کوشش کرنا۔ ان حضرات کا  
 اُس کو لکھ مارنا۔ اُس کی نقل رمی جمرات کا ہونا۔ آخر میں ذبح کا فدیے سے تبدیل ہونا۔  
 یہ ایسے واضح امور ہیں۔ کہ یہود و نصاریٰ کو اس سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ شیخ نے  
 بر بنائے شہرت ملک اندلس لکھ دیا ہے کہ اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں۔ کیونکہ اس  
 فص میں شیخ کا مقصود خواب کا تعبیر طلب ہونا ہے نہ کہ اس امر کی تحقیق۔ کہ اسماعیل علیہ السلام  
 واسحاق علیہ السلام میں سے کون ذبیح اللہ ہیں۔

**مسئلہ۔** فدیہ اسماعیل میں مینڈھا دیا گیا۔ اور اونٹ نہیں دیا گیا مینڈھے  
 کے فدیے کو ذبح عظیم فرمایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سہولت سے ذبح کے لیے تیار  
 ہو جانا۔ مینڈھے میں ہے نہ کہ اونٹ میں۔ اونٹ میں تِلْکَ الْجَبَانِ کہاں ہے۔  
**مسئلہ۔** خواب کی صورت اور واقعے میں مناسبت ہوتی ہے۔ یہاں  
 حضرت اسماعیل اور مینڈھے میں جان دینے کے لیے تیار ہو جانا۔ نیز حضرت اسماعیل کا  
 اقبال امر حق تعالیٰ میں اپنی عقل عقال سے درست بردار ہونا۔ اور وحی کو عقل پر ترجیح  
 دینا۔ جیسا کہ ہم نے قوس صعودی میں سالک حیوان صفت کو دکھایا کہ وہ انسان  
 بندہ عقل سے اعلیٰ و افضل ہے۔

**مسئلہ۔** حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ میں شیطان  
 نہیں آسکتا۔ اور نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں۔ اس کی وجہ  
 یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کو مرسل ہوئے تھے۔ اگر مرسل  
 کی صورت میں شیطان متمثل ہو تو امن مرتفع ہو جائے گا۔ اور مقصود رسالت مفقود

جز ہشتم

ہو جائے گا۔ خواب میں شیطان کے آپ کی صورت میں تمثیل نہ کر سکنے کے لیے آیا ہے۔ حضرت نے فرمایا فان الشیطان لا یتمثل بی۔ بعض لوگ حضرت کی شکل خاص سے عدم تمثیل کو خاص کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان ”تمثل رسول اللہ ہوں“ کہہ نہیں سکتا۔ نہ شکل مقدس میں نہ کوئی اور صورت لے کر۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو حضرات فنا فی الرسول ہو گئے ہیں ان کی صورت میں بھی شیطان تمثیل نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ کی صورت میں بھی شیطان تمثیل نہیں کر سکتا بشرطیکہ اس میں شان مادی ہو۔

مسئلہ۔ خیال دو قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) خیال متصل یا خیال طلق ہمارا اختیار ہی خیال۔ من گھڑت تصورات۔ بے منشا بے اصل اختراعی محض خیالات ال خیالات کو ہٹانا چاہیں تو ہٹ جاتے ہیں۔

(۲) خیال منفصل یا خیال مقید۔ عالم کا بانشا حقیقی اور صحیح خیال۔ اسی کو عالم مثال یا برزخ اول کہتے ہیں جو کسی کے ہٹائے نہیں ہٹتے۔ عالم مثال میں عالم ارواح اور اس کے اوپر کے مراتب سے بھی صورتیں آتی ہیں۔ اور عالم شہادت اور اس کے نیچے کے مراتب سے بھی صورتیں آتی ہیں۔ اکثر جو حکم آتا ہے دفعہ آتا ہے۔ نفس اس کو بڑھاتا اور انلا راج کرتا ہے۔ انلا راج کرنے میں حضرت نفس کو بڑا دخل ہے۔ بعض دفعہ دخل در معقولات کر کے نفس و شیطان تمام کام تباہ کر دیتے ہیں۔

بعض دفعہ خیال یا مثال قوی ہو کر عالم شہادت میں محسوس معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ دوسروں کو بھی نظر آتا ہے۔ جمع ہمت، قوت ارادی کو کام میں لگانا دفع خطرات کرنا۔ ایک نقطے پر خیال کا جمائے رکھنا۔ طہارت ظاہری و باطنی، ارواح کی طرف توجہ کرنا۔ مناسب اسلئے الہیہ کی مدد۔ کثرت اوراد۔ لوازم جسم شہادی، یعنی اکل و شرب و خواب کا ترک کرنا۔ روشنی سے بچنا بطریق حواس کا بند کر دینا۔ شور و غل سے بچنا۔ استاذ یا شیخ کا توجہ کرنا اور اپنی قوت امدادی سے طالب کو قوت دینا۔ عالم مثال کے کھلنے میں مدد دیتے ہیں۔

جن لوگوں کی قوت تخیل قوی ہوتی ہے۔ ان پر عالم مثال خوب کھلتا ہے۔ اور جن کی قوت تعقل اچھی ہوتی ہے۔ ان پر مغارف خوب نازل ہوتے ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے ایک سائبان دیکھا۔ اُس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔ لوگ اس کو تحصیلوں میں لیتے ہیں۔ بعض کو زیادہ ملا ہے اور بعض کو کم۔ ایک رشتی آسمان سے زمین تک ٹٹک رہی ہے۔ یا رسول اللہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے وہ رشتی پکڑ لی اور اوپر چڑھ گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے وہ رشتی پکڑ لی۔ اور اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور شخص نے وہ رشتی پکڑ لی اور اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور شخص نے رشتی پکڑ لی وہ رشتی ٹوٹ گئی۔ پھر اُس کے لیے جوڑ دی گئی۔ پھر وہ بھی چڑھ گیا۔ ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ آپ پر سے تصدق مجھے تعبیر دینے دیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔ تعبیر دو۔ ابو بکر (صدیق) نے کہا۔ وہ سائبان۔ سائبان اسلام ہے۔ گھی شہد جو ٹپک رہا ہے وہ قرآن اور اُس کی لطافت و شیرینی ہے۔ گھی شہد کو کم یا زیادہ لینے والے قرآن کو کم یا زیادہ لینے والے۔ اور وہ رشتی جو آسمان سے زمین تک ٹٹک رہی ہے وہ دین حق ہے۔ جس پر آپ ہیں۔ آپ اُس کو پکڑ لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو بلند کر دے گا۔ آپ کے بعد اُس کو ایک شخص لے گا۔ اور اوپر کو چڑھ جائے گا۔ پھر ایک شخص لے گا۔ اور اوپر کو چڑھ جائے گا۔ پھر ایک شخص لے گا اور سی ٹوٹ جائے گی۔ پھر جوڑی جائے گی اور وہ اوپر چڑھ جائے گا۔ یا رسول اللہ آپ فرمائیے کہ میں نے تعبیر درست دی یا میں نے غلطی کی بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ صحیح ہے کچھ خطا ہے۔ ابو بکر نے کہا آپ کو قسم ہے۔ آپ پر میرے ماں باپ تصدق یا رسول اللہ آپ مجھ سے فرمائیے کہ میں نے کس میں غلطی کی۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ قسم نہ دو۔

مسئلہ۔ اب میں تخیل و دیدار الہی کے متعلق بھی کچھ عرض کرو دینا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اس فص میں شیخ نے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ وجوہ یوم مٹن ناظرۃ الی ربہا ناظرۃ۔ اُس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ اور کافروں کے لیے ہے حکلاً انہم عن ربہم یوم مٹن ملجوبون۔ یہ لوگ جس طرح سمجھتے ہیں اس طرح ہرگز نہ ہوگا۔ بیشک وہ اپنے رب سے اُس دن محبوب

رہیں گے۔ ان کو دیدار نہ ہو گا۔

متعدد احادیث شریفہ میں دیدار الہی کا ذکر ہے جو ناقابل انکار ہے۔ یہ امید دیدہ ہی نے کیا موت کو گوارا دھرت، میری جان مفت کب تھی کہ جویں نثار ہوتا تجلی الہی کس کس طرح پر ہوتی ہے۔ تجلی افعالی۔ تجلی صفاتی۔ تجلی ذاتی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فنائے افعال۔ فنائے صفات۔ فنائے ذات۔ فنائے افعال۔ و تجلی افعالی اس طرح کہ مخلوقات کے افعال نظر سالک سے ساقط ہو جائیں۔ اور افعال خداوندی کو بالذات واصل سمجھنے لگے۔ قل کل من عند اللہ تم کہو سب خدا کے پاس سے ہے و ما تشاؤون الا ان یشاء اللہ جب تک خدا نہ چاہے۔ تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔ فنائے صفات و تجلی صفاتی۔ بندوں کے صفات سالک کی نظر سے ساقط ہو جائیں۔ اور خدا کے تعالیٰ کے صفات جلوہ گر ہوں اللہ هو السميع البصیر وہی سنا ہے وہی دیکھتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین اشدر رب العالمین ہی کی حمد ہے۔ وہی بالذات حامد ہے۔ وہی درحقیقت محمود ہے۔ جب ممکنات کا وجود ہی بالذات نہیں۔ تو اور کیا صفت اُس کی ہو سکتی ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حول و قوت سب خدا کی طرف سے ہے۔ بندے کے دونوں ہاتھ خالی ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ بل ید الا مہبوطتان۔ فنائے ذات و تجلی ذاتی بندے کی ذات بالعرض۔ وجود بالعرض۔ خدا کی ذات بالذات وجود بالذات۔ بندہ دراصل معدوم ہے۔ اور حق فی الحقیقت موجود ہے۔ هو الا قول والاخر والظاہر والباطن و هو بکل شئی محیط جب تجلی ذاتی ہوتی ہے تو ایک قسم کی غشی یا موت آتی ہے۔ موت میں دنیا سے غفلت ہوتی ہے۔ اور برزخ کے لایق جسم کے ساتھ خود کو پاتا ہے۔ مگر فنائے ذات کے وقت ماسوا اللہ کا علم ہی نہیں رہتا۔ نہ زید و کمر و کا۔ نہ خود کا۔ نہ اس کا ہی علم رہتا ہے کہ وہ خدا کی یاد کرتا ہے۔

زیر شان کہ فنائے خوشی میخوابی (جائی) از خرم ہیئت جوئے کے سکا ہی  
ایک سرور خوشی آگاہی گرم نہنی از راہ فنا گم راہی

ایضاً

توحید بعرفِ صوفی صاحبِ سیر (جائی) تخلیصِ دل از توجہِ اوست بغیر  
 رمزِ نہایات مقالاتِ طیور گفتم بتو۔ گر نہ سم کنی منطقِ طیر  
 نیز تجلی و قسم کی ہوتی ہے (۱) تجلی ذاتی جس میں اسو اللہ فنا ہو جاتا ہے۔  
 (۲) تجلی مثالی جس میں اسم الہی مناسب صورت کے توسط سے جلوہ گر ہوتا ہے۔  
 جیسے علم کہ غیر مرئی معنی ہے، وودھ کی صورت کے توسط سے حضرت رسول خدا کو  
 خواب میں نظر آیا۔ کسی بے صورت کا خواب یا کشف میں توسط صورت کے  
 نظر آنے سے۔ اُس کی بے صورتی پر کوئی اثر نہیں آتا۔ مصوّر مجتہد غصہ بظلمندی۔  
 اجمعی سب کی تصویر کھینچتا ہے۔ مگر یہ معافی ہمیشہ بے صورت ہی رہیں گے۔

جزء دوم

# فصوص حکمت حقیقہ بکلمہ اسحاقیہ

فِدَاءُ نَبِيِّ ذِي نَجْدٍ بِقُسْرٍ بَانٍ      وَأَيْنَ تَوَاجِعِ الْكَشْبِ مِنْ نَفْسِ الْإِنْسَانِ  
کیا نبی کا فدیہ قربت حق کے لیے ایک ذبیحے کا ذبیح کرنا ہے کہ ہاں مینڈ سے  
کی آواز اور کہ صحرانسان کی آواز۔

وَعَظْمَةُ اللَّهِ الْعَظِيمِ عَنَاءٌ بَدَ      أَوْ بِنَالِمٍ أَدْرَمَنْ أَيْ صَافِيَانِ  
اشیعت عظمۃ نے اس ذبیحے کو عظیم فرمایا۔ یہ عنایت و اہتمام کس جہت سے ہے۔  
کیا اس ذبیحے کی جہت سے ہے یا ہم لوگوں کی جہت سے ہے نہ معلوم یہ کس حساب سے ہے۔  
وَلَا شَكَّ أَنَّ الْبَدَنَ اعْظَمَ قِيَمَةً      وَقَدْ نَزَلَتْ عَنْ ذِي نَجْدٍ كَبْشٍ بِقُسْرٍ بَانٍ  
بیشک بدنہ یعنی اونٹ اور گائے کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور ایک  
اونٹ یا گائے سات آدمیوں کا ذبیحہ ہو سکتی ہے مگر یہاں حضرت اسماعیل کی قربانی  
میں گائے اور اونٹ عظیم اور بڑے نہیں سمجھے گئے۔ بلکہ مینڈ صا عظیم سمجھا گیا۔  
فِي أَلَيْتٍ شِعْرِي كَيْفَ نَابٍ بَدَا أَتَدَ      شَخِصٌ كَبْشٍ عَنْ خَلِيفَةِ رَحْمَانٍ  
کاش معلوم ہوتا کہ چھوٹے تد کا مینڈ صا خلیفہ رحمن یعنی حضرت اسماعیل کا  
قائم مقام کیونکر ہوا۔

الْمَرْتَدَّ رَانَ الْأَهْرَفِ فِيهِ مَرَاتِبُ      وَفَاءُ الْكَادِبِاجِ وَنَقْصُ الْخُشْرَانِ

جز ہشتم

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فدیہ دینے میں فدیہ اور صاحب فدیہ میں مناسبت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کمانے والے کے لیے کمال ہے اور کوتاہی کرنے والے کے لیے خسارت اور ٹوٹا ہے۔

فَلَا خَلْقَ اَعْلٰی مِنْ جَادٍ وَبَعْدًا  
نبات کی علیٰ قلد ریکون واوران  
کوئی مخلوق قوس نزولی میں جاد سے اعلیٰ نہیں۔ اس کے بعد نباتات ہیں  
مخلوقات میں سے ہر ایک اپنی قدر و مرتبت اور انداز پر ہے۔

وَوَدَّ الْحَسَنُ بَعْدَ النَّبْتِ وَالْکُلِّ عِلْبًا  
بِحَلَا تَرِکْشَا وَاِضْحَاحِ بَرْهَانِ  
نباتات کے بعد حیوانات کا مرتبہ ہے جو حس و حرکت والے ہیں۔ ہر ایک  
اپنے خالق کو کشف اور صاف واضح دلائل و براہین سے جانتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ  
عذاب قبر کا علم سب کو ہے، بجز جن و انس کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صاحب عقل  
و فکر ہیں۔

وَأَمَّا الْمُسْتَعْمِلُ أَدْمُ مَقْبِلُ  
بِعَقْلِ اَوْفَلُو اَوْ قِلَادَةِ اِيْحَانِ  
لیکن جس کو آدم کہتے ہیں اور وہ مہنوز کشف و شہود کو نہیں پہنچا۔ اس کے  
پیروں میں عقل و فکر کی بیڑیاں یا اس کے گلے میں تقلیدی ایمان کا گلوبند ہے۔  
بَلَا اَقَالَ سَهْلَ وَالْمُحَقِّقُ مِثْلُنَا  
لَا نَاوَا يَا هُوَ بِمَنْزِلِ احْسَانِ

اس مسئلے کو سہل سمجھتے ہیں اور دیگر محققین نے کہا ہے کہ ہم اور وہ مرتبہ احسان  
میں ہیں یعنی اَعْبُدَ اللّٰهَ کَانَکَ تَرَا لا یعنی خدا کی ایسی عبادت کرو گویا کہ تم اس کو  
دیکھتے ہو۔

نَسْنُ شَهْدَ اَلْاَمْرِ الَّذِي فَا شَهْدَتُهُ  
يَقُولُ يَقُولِي فِي خِفَاءٍ وَاِعْلَانِ  
پس جس نے اس امر کو مشاہدہ کیا جسے ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہ تو ہمارے  
بی قول کا قائل ہو گا خفیہ ہو یا علانیہ ہو۔

وَلَا تَلْتَقِفْتُ قَوْلًا يَخَالِفُ قَوْلَنَا  
وَلَا تَبْذُرِ السَّمْلَاءَ فِي اَرْضِ عُثْمَانِ  
اس قول کی طرف التفات نہ کرو جو ہمارے قول کے مخالف ہے۔ حقائق کے  
گہروں ان دل کے اندھوں کی زمین میں ہرگز نہ ہو۔

هَمَّ الْعَصَمُ قَالِبُ الْاَذِينَ اتَى بِهَمِّ  
لَا شَاعِنَا الْمَعْصُومُ فِي نَقْصِ قُرْآنِ

ہیں لوگ صم و کیم میں یعنی گو ننگے پہرے ہیں۔ ہمارے سنا نے کو رسول معصوم نے  
فقر قرآن میں بیان کیا۔ اللہ ہمارے بھی تائید کرے اور تمہاری بھی۔

جانتا چاہیے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے صاحب زادے اسماعیل  
سے فرمایا کہ میں خواب میں تم کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور خواب حضرت  
خیال و عالم مثال ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر فرمائی۔  
کیونکہ خواب تعبیر و مجاز ہے۔ اور منطقتہ خطا اور احتمال عقلی ہے۔ اور اصل حقیقت  
و مشاہدہ و رمیائے صادقہ ہے۔ اور ظاہر صورت میں کمال اطاعت ہے حالانکہ  
وہ ایک مینڈھا تھا۔ جو ابراہیم کے فرزند اسماعیل کی صورت میں ان کو خواب میں  
دکھائی دیا تھا۔ ابراہیم نے ظاہر خواب کی تصدیق کی۔ کیونکہ اس پر عمل کرنا دشوار تھا۔  
اور تعبیر میں سہل گیری و خود غرضی کا احتمال تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کا  
فدیہ دیا۔ کیا فدیہ دیا۔ بڑی قربانی دی جنت کا مینڈھا بھیجا۔ بے جگر سے جان  
دینے میں اسماعیل اور اس میں مشابہت و مناسبت تھی۔ باپ بیٹے دونوں کی  
اطاعت و جاں بازی کا امتحان بھی ہو چکا تھا جس کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا مینڈھا  
تھا مگر بصورت اسماعیل تھا تو فدیہ کہاں ہوا۔ وہی تو ذبح کیا گیا جس کو حقیقتہً ذبح  
کرتے دیکھا تھا۔ چونکہ خواب حضرت ابراہیم کا تھا۔ یہ خیالی صورت حضرت ابراہیم  
کے ذہن کی تھی اور آپ نے عمل میں تعبیر کا پہلو اختیار نہیں کیا تھا۔ لہذا  
خیال حضرت ابراہیم کی مناسبت میں خدا کا لفظ خدا کے تعالیٰ نے استعمال فرمایا۔  
حالانکہ خدا کے تعالیٰ کے نزدیک ان کے خواب کی تعبیر مینڈھا ہی تھا۔ ان کو معلوم  
نہ تھا کہ اس خواب سے تعبیر مقصود ہے اور حقیقتہً مقصود نہیں۔

تجلی صوری حضرت عالم خیال میں ہوتی ہے اس کو دوسرے علم یعنی علم تعبیر  
کی ضرورت ہے۔ علم تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس صورت سے  
کیا مقصود ہے۔

دیکھو رسول اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے ان کی تعبیر کے متعلق فرمایا کہ  
کچھ تم نے صحیح کہا اور کچھ تم نے خطا کی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق نے آپ سے  
عرض کیا کہ مجھ کو بتائیے کہ میں نے کیا صحیح کہا اور کیا غلط ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جز ہشتم

ایسا نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو پکارا  
 ان یا ابراہیم قل صدق اللہ ویا اسے ابراہیم تو نے اپنے خواب کی تصدیق  
 کی اور ان سے یہ نہ فرمایا کہ تم اپنے خواب میں سچے تھے کہ مذبح تمہارا  
 فرزند ہے۔ کیونکہ ابراہیم خلیل اللہ نے اس خواب کی تعبیر نہ کی۔ بلکہ انھوں نے  
 ظاہر صورت کو اختیار کیا تھا جس کو انھوں نے دیکھا۔ اور جو احوط اور اطاعت کے  
 پہلو میں اقرب تھا اور خواب تو تعبیری تھا۔ اور تعبیر کا طالب تھا۔

(بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کو  
 ذبح کرتے ہیں نہ کہ وہ ذبح کر چکے ہیں یعنی آپ نے دیکھا کہ فرزند کو اٹایا ہے۔ مانتہ میں  
 چھری لی ہے اور حلقوم پر پھرائی ہے۔ بیداری میں وہی ہوا بھی جو خواب میں  
 دیکھا تھا۔ جب ابراہیم کا عوم پورا ہو گیا۔ فرزند کی اطاعت ثابت ہو چکی تھی ذبح  
 پورے ہو چکے اور باپ بیٹے دونوں امتحان میں کامیاب ہو چکے۔ تو خدا نے تعالیٰ  
 کی رحمت نے جوش مارا چھری کند ہو گئی۔ فرزند کا گلا کٹنے نہ پایا اور بیٹہ حاقربانی کے لیے  
 بھیجا گیا۔ قربانی کی گئی اور وہ مقبول بھی ہو گئی لہذا حضرت ابراہیم کا خواب رویائے صادقہ  
 تھا۔ تعبیر طلب خواب نہ تھا نہ اس میں حضرت ابراہیم کے وہم و خیال کو کچھ  
 دخل تھا۔)

اسی لیے عزیز مصر نے ارکان سلطنت سے کہا میرے خواب کی تعبیر دو  
 ان کنتم للرویا تعبیرون۔ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ تعبیر کے معنی میں  
 صورت خواب سے مقصود و مراد کی طرف عبور کرنا۔ تہا ذکر کرنا۔ پس حضرت یوسف  
 نے وہی گائے کو قحط سالی سے اور موٹی گائے کو فراخ سالی سے تعبیر کیا۔  
 اگر ابراہیم کا خواب رویائے صادقہ ہوتا تو وہ اپنے فرزند کو ذبح کے ہوتے بلکہ  
 حضرت ابراہیم نے بغرض احتیاط اس پر محمول کیا کہ شاید مذبح آپ کے فرزند ہوں  
 اللہ تعالیٰ کے پاس ذبح عظیم آپ کے فرزند کی صورت میں تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے  
 ابراہیم کے خیال میں جو صورت تھی اس کے لحاظ سے فدیہ دیار حالانکہ عند اللہ  
 اور نفس الامر میں خدا تھا ہی نہیں حسی صورت تو منہ سے کی تھی۔ خیال نے

جو دشم

بمنا سبت اطاعت اسماعیل فرزند ابراہیم کی صورت دی۔ اگر مینڈھے کو خواب میں دیکھتے تو اُس کی تعبیر آپ کے فرزند ہوتے یا کچھ اور ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان هذا الهوالبلاء المبين۔ یہ بڑا کھلا اور واضح امتحان تھا کہ حضرت ابراہیم کیا صورت خواب پر عمل کرتے ہیں یا تعبیر دیتے ہیں۔ جو مقام رویا کا اقتضا تھا۔ حضرت ابراہیم نے تعبیر کو ترک فرمایا۔ اور ظاہر صورت خواب پر عمل کرنا چاہا تعبیر کو اس کا حق نہ دیا۔ اور خواب کو سچا کر دکھایا۔

جیسا کہ تقی بن مخلد نے کیا ہے۔ انھوں نے ایک حدیث میں سنا جو اُن کے پاس صحیح ثابت تھی کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ من رانی فی المنام فقد رانی فی اليقظہ فان الشيطان لا يمثّل علی صورتي یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اُس نے مجھ کو بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں تمثیل نہیں ہوتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شیطان اسم فعل کا منظر ہے اور حضرت اسم ہادی کے منظر ہیں اور تبلیغ میں تمام لوگوں پر حجت ہیں۔ اگر حضرت کی صورت یا آواز میں شیطان تمثیل کرے تو صحت تبلیغ میں امن باقی نہ رہے گا۔ اب ایک سوال باقی ہے۔ کیا کوئی فرشتہ مثلاً عزرائیل عاشقانِ روئے محمدی کے لیے صورتِ محمدی میں قبض روح کے لیے تمثیل کر سکتے ہیں۔ یا کوئی فانی فی الرسول ولی یا بعض معانی جیسے شرع یا احادیث نبوی صورتِ محمدی میں تمثیل کرتے ہیں۔ محققین علم تعبیر الہیہ کے پاس ایسا ثابت ہے۔ عدم تمثیل شیطان کے ساتھ خاص ہے۔ مولانا جامی مطلق عدم تمثیل بصورتِ محمدی کے قائل ہیں۔ اگر کوئی شے حضرت دیں تو اس شے کو بھی حقیقت پر مہمول کریں گے۔ یا اس کا تعبیر طلب ہوا بھی ممکن ہے؟ عامۃً علما کا خیال ہے کہ ایسا ہوتا ہے مثلاً حضرت نے کسی کو اشرفیاں دیں اور اس سے مراد احادیث ملنا ہو چنانچہ حضرت نے دیکھا کہ خواب میں دودھ نوش فرمایا ہے اور اس کا بقیہ حضرت عمرؓ کو دیا ہے اُس کی تعبیر علم سے دی پس تقی بن مخلد نے حضرت کو خواب میں دیکھا اور حضرت نے اُن کو اُس خواب میں دودھ پلایا تقی بن مخلد نے اس خواب کو سچا ثابت کرنا چاہا اور زبردستی قے کی قے میں دودھ نکلا۔ اگر وہ خواب کی تعبیر دے لیتے تو وہ دودھ



جز دہم

ہم کو اس بارے میں جو ابراہیم کے ساتھ کیا اور اُن سے خدا کا لفظ فرمایا۔ اس سبب سکھایا۔ کیونکہ مقام نبوت اسی کا مقتضی تھا۔ اس واقعے سے ہم کو معلوم ہو گیا کہ دیدار حق تعالیٰ میں ہم کو کیا حکم لگانا چاہیے۔ اگر حق تعالیٰ کا دیدار کسی ایسی صورت میں ہو جس کو دلیل عقلی رد کرتی ہو تو ہم اس صورت کی کسی امر مشروع کے ساتھ تعبیریں گے۔ تعبیر یا اعتبار رائی یعنی دیکھنے والے کی حالت کے ہوگی۔ یا باعتبار مکان کی حالت کے ہوگی جس میں اُس نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے یا باعتبار دونوں کی حالتوں کے ہوگی۔ اور اگر اس صورت کو عقل رد نہ کرے تو ہم اُس کو اسی صورت پر بلا کم و کاست چھوڑ دیں گے جس صورت پر ہم نے اُس کو دیکھا ہے۔ جیسے آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ اللہ واحد رحمن کے لیے ہر مقام ہر محل میں بعض مخفی و غیر مرئی صورتیں ہیں اور بعض ظاہر و مرئی۔ غیر مرئی و مخفی صورتیں کیا ہیں اور کہاں ہیں۔

فَلِلَّوْاحِدِ الرَّحْمٰنِ فِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الصُّوْرِ مَا یَخْفٰی وَمَا هُوَ ظَاہِرٌ

حق تعالیٰ حضرت احدیت سے فیض اقدس کے توسط سے صور اعیان ثابتہ کو جو ہم سے مخفی ہیں اپنے علم میں نمایاں کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی شان رحمانیت فیض مقدس سے عالم شہادت و ناسوت میں اعیان خارجیہ میں جو ظاہر ہیں ترتیب آثار کے لیے تجلی فرماتا ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ هٰذَا لِحَقٍّ قَدْ تَلٰکَ صَادِقًا وَاِنْ قُلْتَ اَمْزَاجٌ اَنْتَ عَابِرٌ

اگر ان صورتوں کو دیکھ کر تم یہ کہو کہ ذات حق سے علیحدہ بالاستقلال نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر حق نہیں ہیں تو تم سچے ہو۔ اور اگر اطلاق و تفسیر ظاہر و منظر کے ما بہ الامتیاز کا لحاظ کر کے ان صورت کو غیر حق کہو تو تم وحدت سے گزر کر کثرت میں جا پہنچتے ہو۔ اس شعر کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کی تجلی کو حق سمجھو۔ اور خواب و کشف کی تجلیات کو تعبیر طلب سمجھو۔

وَمَا حٰکَمَةٌ فِیْ مَوْطِنٍ دُوْنَ مَوْطِنٍ وَلٰکِنَّہٗ بِالْحَقِّ لَخَلْقٌ تَنَافُؤٌ

حق تعالیٰ کی تجلی وجودی اور احکام و حالات کسی خاص محل سے خاص اور دوسرے محل سے منافی نہیں ہیں بلکہ وہ حق یعنی تجلی وجودی ہے۔ اعیان ثابتہ کے منہ پر سے پردہ خفا اٹھا اور اعیان خارجیہ بناتے ہیں۔

جز دہم

اِذَا مَا تَجَلَّى لِلْعُقُولِ تَرَدُّدًا عُمُؤْلٌ بِبُرْهَانٍ عَلَيْهِ تَثَابُرٌ

اگر ہماری آنکھوں کے سامنے تجلی فرمائے اور ہم صورِ حسنہ یا مثالیہ میں اُس کو مقید سمجھیں۔ تو عقل اس کو رد کرتی ہے۔ دلیل و برہان کے ساتھ جو قائم ہیں۔  
وَلِقَبْلُ فِي تَجَلَّى الْعُقُولِ وَفِي الَّذِي لَسَمَّى خَيَالًا وَالصَّحِيمِ النَّوَاطِرُ  
صحیح نظر والے تجلی کا عقل یعنی شانِ تنزیہ میں بھی قبول کرتے ہیں اور عالم خیال میں بھی قبول کرتے ہیں جس میں تشبیہی تجلی ہوتی ہے۔

حضرت ابویزید بسطامی اس مقام یعنی کشفِ تام و شہود میں فرماتے ہیں۔  
اگر عارف باللہ کے قلب کے ایک گوشے میں عرش اور جو کچھ اُس کے نیچے ہے بلکہ اس سے کروڑوں کروڑ چند سما جائے تو عارف کو اس کی حس تک نہ ہوگی۔ ابویزید نے تصویر و سمیت قلب کو عالم اجسام کے لحاظ سے فرمایا ہے اور میں تصویر و سمیت قلب اس طرح کھینچتا ہوں کہ اگر عارف کے قلب کے ایک گوشے میں کسی غیر متناہی مفروضہ چیز کو (گویہ ممکن نہ ہو) رکھ دیں تو قلب عارف اُس کی پروا تک نہ کرے گا۔ احساس تک نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قلب عبدِ مومن میں حق تعالیٰ سما جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ بھی اُس کی پیاس نہیں بجھتی اور سیرابی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر وہ بھر جائے تو سیرابی ہو۔ ابویزید نے اس بات کو فرمایا ہے مرد وہ ہے جو آسمانوں زمینوں کے تمام سمندر پی جائے اور اُس کے ہونٹ منہ سوکھے کے سوکھے ہی رہ جائیں۔ ہم نے بھی اس مقام کی طرف اشارہ ذیل سے اشارہ کیا ہے۔

يَا خَالِقَ الْأَشْيَاءِ فِي نَفْسِهِ أَنْتَ لِمَا تَخْلُقُهُ حَاسِمٌ

اے چیزوں کو اپنی ذات میں پیدا کرنے والے۔ تو جن جن کو پیدا کرتا ہے جامع و محیط ہے۔

تَخْلُقُ مَا لَا يَتَنَاهَى كَوْنُهُ فَيْكَ فَأَنْتَ الضَّيِّقُ الْوَاسِعُ

تو نامتناہی لا تقف عند حد اشیا کا اپنی ذات میں خالق ہے۔ پس تو باعتبار تعین کے تنگ ہے اور باعتبار اطلاق کے کشادہ ہے۔  
یا تو باعتبار احدیت کے تنگ ہے کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں اور

جز ہشتم

باعتبار واحدیت کے تمام مخلوقات کو واسع و محیط ہے۔  
 لَوَ اَنَّ مَا قَدْ خَلَقَ اللّٰهُ مَا  
 لَاحَ بِقَلْبِي فَخَبَرُكَ السَّاطِعُ  
 اگر تمام مخلوقات میرے دل میں ہوں۔ تو اُن کے وجود کا سارا نورِ باہاں مخفی ہو جائے گا۔  
 مَنْ وَسَّعَ الْحَقُّ فَمَا ضَاقَ عَنِّ  
 خلقِ فکلیف الامرِ یا سامعُ  
 اے سننے والو۔ جو حق تعالیٰ کو سما گیا ہو تو وہ خلق سے کیونکر تنگ  
 ہو سکتا ہے اور اُس کا کیا حال ہوگا۔ شعور

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پائے  
 میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے  
 ہر انسان اپنے خیال میں قوتِ واہمہ و متخیلہ سے اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے  
 جن کا وجود سوائے خیال کے خارج میں موجود نہیں ہوتا۔ اور یہ امر عام ہے۔  
 ہر اک کرتا ہے۔ اور عارف اپنی ہمت نہ ور قلب۔ قوتِ ارادی سے  
 اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا وجود خارج میں محلِ ہمت و خیال سے باہر بھی ہوتا۔  
 اور دوسروں کو محسوس ہوتا ہے۔ اُس کی ہمت اُس کی توجہ ہمیشہ اُس کی حفاظت  
 کرتی رہتی ہے۔ اور اس خیالی پتلے کی حفاظت سے اُس کی ہمت ٹھکتی نہیں۔  
 اگر عارف پر اس خیالی مخلوق کی حفاظت سے غفلت طاری ہوتی ہے تو وہ خیالی  
 مخلوق جس کو اُس نے پیدا کیا ہے معدوم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کہ وہ عارف  
 اپنے دل کی گنجائش کی وجہ سے تمام حضرات یعنی حضرت معانی حضرت ارواح۔  
 حضرت مثال مطلق۔ حضرت مثال مقید اور حضرت حش و شہادت کو حاوی  
 و ضابط ہو۔ اور اُس پر پوری غفلت طاری ہی نہ ہو۔ بلکہ اُس کے سامنے  
 کوئی نہ کوئی حضرت رہے جس میں اُس صورت کا مشاہدہ کرتا ہو۔ اگر عارف  
 کسی چیز کو اپنی ہمت سے کرے اور اُس کو احاطہ کامل ہو تو وہ صورت خیالی  
 اپنی صورت پر تمام حضرات میں نمایاں رہے گی اور صورتیں باہم  
 ایک دوسرے کی حفاظت کریں گی۔ کیونکہ اُس کی ہمت بعض صورتوں سے باقی  
 صورتوں میں سرایت کرتی ہے۔

اگر یہ عارف کسی ایک حضرت یا کئی حضرات سے غافل ہو مگر ایک  
 حضرت کا مشاہدہ کرتا ہو اور اُس میں اپنی خیالی مخلوق کی حفاظت کرتا ہو تو

جوشم

حضرات کی صورتیں بھی محفوظ رہ جائیں گی۔ کیونکہ وہ اُس صورت کی حفاظت کرتا ہے جو ایسی حضرت میں ہے جس سے عارف مذکور کو غفلت نہیں۔ کیونکہ عام غفلت بالکل جہل ہے نہ عامۃ الناس کے لیے صحیح ہے نہ خواص کے لیے۔

اور میں نے ایک ایسے راز کو ظاہر کیا ہے کہ اہل اللہ ہمیشہ اپنے رازوں کے چھپانے پر کوشش کرتے ہیں اور ظاہر کرنے سے دریغ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس غفلت میں اُن کے دعوے میں خدایم کار دے ہے۔ کیونکہ حق جل و علا کو کسی چیز سے غفلت نہیں ہے اور بندے کو ضرور ہے کہ کسی نہ کسی شے سے غفلت ہو۔ پس بندہ اس خیالی مخلوق کے حفظ کے اعتبار سے جس کو اُس نے پیدا کیا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں حق سے جدا نہیں ہوں۔ مگر بندے کی حفاظت اس صورت کے لیے ایسی نہیں ہے جیسے حق تعالیٰ کی حفاظت ہوتی ہے۔ میں نے تو فرق بیان کر دیا کہ بندہ اس صورت سے ایک حضرت و عالم میں غافل ہے اور دوسرے میں اس سے غافل نہیں اور حق جلّہ قدرتہ کو کبھی کسی وجہ سے غفلت نہیں ہوتی۔ لایاخذہ سنۃ ولا نوم پس اس سے بندہ حق تعالیٰ سے مستیز ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حفظ اپنی مخلوقات کو ایسا نہیں بلکہ وہ ہر صورت کی بالیقین حفاظت فرماتا ہے۔

مسئلہ غفلت عید وہ مسئلہ ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ اُس کو کسی نے نہ میں نے نہ کسی اور نے کسی کتاب میں لکھا ہی نہیں۔ بجز اس کتاب کے۔ پس وہ اُس وقت کا درتیم (سیپ میں کا ایک ہی بڑا موتی) اور جو ہر فرید ہے۔ اپنے محل غفلت اور بندے ہونے کے قائل رہو۔ اور ادعائے خدائی نہ کرو۔ جس حضرت میں کہ تم کو خیالی صورت کے ساتھ حضور باقی رہتا ہے اُس کی مثال اُس کتاب کی مانند ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما فرطنا فی الکتاب یعنی ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کوتاہی نہیں کی۔ یہ کتاب واقع اور غیر واقع دونوں کو جامع ہے۔

اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو بذاتہ قرآن ہو یعنی حقائق و معارف کا کتاب جامع ہو۔ کیونکہ مستقی پر ہمیز کار کے لیے اللہ تعالیٰ فرقان، یعنی قوت امتیاز عطا کرتا ہے۔ جس سے وہ حق و باطل، رب و عبد میں فرق کر سکتا ہے۔ اور یہ فرقان و امتیاز دوسرے فرقان و امتیازات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ اللہ کی ایک صفت کو دوسری صفت سے تمیز نہ کر سکیں یا ایک بندے کی حقیقت کو دوسرے بندے کی حقیقت سے امتیاز نہ کریں تو اتنا فساد انگیز نہیں جتنا رب و عبد میں بے تمیزی کرنے سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

فَوَقْتًا يَكُونُ الْعَبْدُ رَبًّا بِلَا شَكِّ  
وَوَقْتًا يَكُونُ الْعَبْدُ عَبْدًا ابِلًا اِفْلَکِ

کبھی بندہ فنا کی حالت میں رہتا ہے تو جہت عبد نابود و مضحمل ہوتی ہے۔ اور کبھی مقام بقا بعد الفنا میں رہتا ہے تو وہ بیشک عبد کامل رہتا ہے۔

فَاِنْ كَانَ عَبْدًا اَكَانَ بِالْحَقِّ وَاسْعًا  
وَ اِنْ كَانَ رَبًّا كَانَ فِي عَيْشَةٍ ضَنْكٍ

اگر عبد کامل ہوگا تو وہ تجلی گاہ حق ہوگا۔ اور انوار حق اس سے نمایاں ہوں گے۔ اگر وہ ربوبیت کا مدعی ہوگا تو ہر ایک اپنے حاجات کا اُس سے مطالبہ کریں گے اور وہ اُس سے عاجز ہوگا۔ اور زندگی اُس پر تنگ ہو جائے گی۔

فَمِنْ كَوْنِهِ عَبْدًا اَيُّ عَيْنٍ نَفْسِهِ  
تَلْتَمِصُ الْاَمْثَالَ مِنْهُ بِلَا شَكِّ

وہ عبد کامل ہونے کی صورت میں اپنی حقیقت اور عدم ذاتی کو دیکھے گا۔ اور جو لیتا ہے خدا سے لے گا۔ اور اس وقت اُس کی امیدیں بیشک وسیع ہوں گی۔ کیونکہ دینے والے کی قدرت وسیع ہے۔ اور یہ بیج میں نہیں ہے۔

وَمِنْ كَوْنِهِ رَبًّا يَمْنَى الْخَلْقُ كُلُّهُ  
يُطَالِبُ مِنْ حَضْرَةِ الْمَلِكِ وَالْمَلِكِ

اور ادا عائدے ربوبیت کی جہت سے تمام خلق کو دیکھتا ہے کہ ملک و ملکوت سے اپنا اپنا حق طلب کرتے ہیں۔ اور

جز ہشتم

وَلَيَعْجُزَنَّ مَا طَالَ بِلَا بَدَا تَهُ  
لَسَا تَرَى بَعْضَ الْعَارِفِينَ يُلَبِّ

وہ اُن کے مطالبات کے بذات خود پورا کرنے سے عاجز ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ اپنی عاجزی کا احساس کر کے بعض عارفین روتے ہیں۔ اور آخر میں اُن کو اپنی بندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

فَكُنْ عَبْدَ رَبِّ لَا تَكُنْ رَبَّ عَبْدٍ  
فَتَذْهَبُ بِالتَّعْلِيقِ فِي النَّارِ وَالسُّبُلِ

لہذا تو رب کا عبد بن۔ اور اُس کے بندوں کا رب نہ بن کہ ان تعلقات کی وجہ سے تو آتش امتحان میں پڑ جائے اور ساری ادعاؤں خدائی گداختہ ہو کر رہ جائے۔



ترجمہ

فصوص الحکم

جزء ہفتم

فصوص حکمت علیہ فی حکمت اسمائیلۃ

12.

.

.

# تمہید فص اسماعیلیہ



فقیر مترجم اس فص کے ترجمے سے پہلے چند مسائل بیان کر دیتا ہے جن سے اصل فص کے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

اللہ کا لفظ کبھی ذات حقہ کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے کبھی مجموعہ کالات و صفات و شان موثرہ یا ربوبیہ میں۔ ذات حقہ بسیط محض ہے۔ وجود معنی بابہ الوجودیہ اس کا عین ہے۔ کسی ممکن۔ کسی مخلوق کو اس مرتبے تک رسائی نہیں۔ نہ اس کا کوئی منظر ہے۔ نہ اس کے مقابل کوئی ہے۔ اس مرتبے میں نہ رب ہے نہ عید۔ اور کبھی اسم اللہ بمعنی ذات مجتمع صفات کالیہ تمام مخلوقات و اعیان ثابتہ پر موثر ہے۔ اور تمام اعیان ثابتہ اس سے متاثر و منفعل ہیں۔ اس کے منظر ہر و مرآت ہیں۔ چونکہ اسم اللہ تمام اسما کا اجمال اور سب کو حاوی و شامل ہے۔ اور تمام اسما اسی کی تفصیلات ہیں۔ اس لیے اسم اللہ بمعنی (شان الوہیت) کا منظر عین الاعیان یا عین کئی یا عین محمدی ہے۔ وہ تمام اعیان کو شامل ہوگا اور تمام اعیان اس کی تفصیل ہوں گے۔

یہ عین الاعیان جب موجود فی الخارج ہوگا تو خلیفہ ہوگا۔ اور سب پر حاکم رہے گا۔ اور وہی انسان کامل ہوگا۔ انسان کامل کا ہر زمانے میں ہونا

جز و ہفتم

ضرور ہے۔ جس میں شان خلافت ہوگی۔ انسان کامل کے دو درجے ہیں۔

(۱) انسان کامل بالذات جو ساری خدائی میں ایک اور باعث ایجاد خلق اور عین الاعیان ہے وہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) انسان کامل بالعرض جو ہر زمانے میں زیر پر تو محمدی رہتا ہے اور اس زمانے کا پیغمبر (اگر قبل ظہور محمدی ہو یا غوث یا قطب الاقطاب (اگر بعد ظہور محمدی ہو) ہوتا ہے۔ اور نظر الہی اسی پر رہتی ہے۔ جب انسان کامل دنیا میں نہ رہے گا تو قیامت برپا ہو جائے گی اور تمام تجلیات الہی عالم آخرت میں منتقل ہو جائیں گے۔ معلوم رہے کہ کسی چیز کا صرف معلوم ہونا اس کے موجود ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ علم کے ساتھ قدرت ملتی ہے تو وہ چیز مخلوق و حادثہ ہوتی ہے۔

عین الاعیان پر جس کی تفصیل تمام اعیان ہیں اسم اللہ کی تجلی ہوتی ہے جو جامع ہے تمام اسما و صفات کو۔ اور ہر ایک عین ثابتہ پر اسما کی خاص تجلی ہوتی ہے جس طرح ایک عین ثابتہ دوسرے عین ثابتہ سے ممتاز ہے۔ اسی طرح ایک تجلی دوسری تجلی سے ممتاز ہے۔ صوفیہ کے محاورے میں تجلی الہی کو رب اور عین ثابتہ کو مربوب کہتے ہیں۔

لہذا ہر عین کا رب بھی دوسرے عین کے رب سے ممتاز ہے۔ اور عین الاعیان کا رب رب الارباب ہے۔ یہ تجلیات یا رب کیا ہیں نسبت و اضافات میں درمیان معلوم الہی و اسمائے الہی کے۔ اسمائے الہی خود اضافات و انتزاعیات ہیں۔

ہر حال عین ثابتہ اور تجلی میں جو اس کو نمایاں کرے گی اور جس کو یہ لوگ رب کہتے ہیں، توافق و تطابق ہے جیسا عین ویسا ہی اس کا رب۔ اور جیسا رب ویسا ہی اس کا عین و منظر ہر تجلی اپنے منظر کو چاہتی ہے اور ہر منظر اپنے رب کو تجلی خاص ہے چاہتا ہے۔ اگر وہ تجلی جو کسی عین سے خاص ہے نہ ہو تو وہ عین موجود ہی نہ ہوگا۔ مخلوق ہی نہ ہوگا۔ اگر یہ عین نہ ہوگا تو اس سے وہ اسم الہی جو خاص ہے اور اس کا رب ہے بے اثر ہوگا۔ بے منظر ہوگا۔ عین اپنے رب سے اثر لینے کے لیے راضی ہے

اور چونکہ وہ اسم و تجلی و رب بے اثر و منظر ہو جاتا اگر یہ عین نہ ہوتا لہذا اُس کا رب اُس سے راضی ہے اور وہ اپنے رب کے پاس مرضی و پسندیدہ ہے۔ ایک عین ضرور نہیں کہ اپنے رب کے سوائے دوسرے اعیان کے ارباب سے راضی یا اُن کے پاس مرضی ہو۔ صرف عین الاعیان سے تمام ارباب سے راضی اور وہ اُن سے راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سب کا تجلی گاہ ہوتا ہے، اور کسی سے اُس کو انکار نہیں کیونکہ وہ اللہ معنی رب الارباب کا منظر اتم ہوتا ہے۔

ہر ایک عین اپنے رب سے متاثر اور منفعل ہوتا ہے۔ عین کی طرف سے فعل و تاثیر نہیں فعل و تاثیر رب کا کام ہے۔ لہذا جو افعال عین سے نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ فی الحقیقت اُس کے رب کے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے افعال و تاثیرات سے راضی ہوتا ہے۔ لہذا ہر عین سے جو افعال نمایاں ہوتے ہیں۔ ان سے اس عین کا رب راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس عین کا رب اس عین سے وہی نمایاں کرتا ہے جو اُس کے لائق فطرت کے مناسب اور اُس کی طبیعت کا مقتضا ہوتا ہے۔ وما من دابة الا هو اخذ بناصيته ان ربي على صراط مستقيم۔

سہل بن عبد اللہ تفسیر فرماتے ہیں ان للربوبية سرا وهو انت لو ظهر لظلت الربوبية۔ یعنی ربوبیت کا ایک سر ہے جو تو ہے تیرا عین ہے۔ اگر وہ سر یعنی عین زائل ہو جائے تو ربوبیت بھی نہ رہے۔ مگر عین تو باطل نہیں ہو سکتا، تو ربوبیت بھی باطل نہیں ہوتی۔ عین اس لیے باطل نہیں ہو سکتا کہ وہ معلوم الہی ہے۔ معلوم کے بطلان سے علم باطل ہوگا جو مستوجب جہل واجب ہے تو نہ عین باطل ہو سکتا ہے نہ اُس کے رب کی ربوبیت ہی باطل ہوتی ہے۔

جب ہر ایک اپنے رب سے راضی ہے اور ہر ایک سے اس کا رب راضی ہے تو یہ تکلیف و رنج کیسا؟ اور عذاب و ثواب، رحمت و غضب کیسا؟ بات یہ ہے کہ تکلیف دو طرح پر ہے۔ ایک مخالف لذت و راحت عام۔ دوسری مخالف عین۔ مخالف عین میں نہ رنج ملتا ہے نہ راحت۔ اگر عین کا تقاضا رنج ہو اور راحت کو آتی فرض کرے تو وہ عین معدوم ہو جائے گا۔ اور بقائے وجود عین، عین راحت اور اصل راحت ہے۔ بوڑھے کی آنکھوں سے برابر نظر نہیں آتا۔

جزء ہفتم

ہاتھ پاؤں کا نہ نہیں دیتے مگر جینے کو ہوس اس کو بھی ہے۔ قتل کی سزا سے تیرا مشقت  
ہزار بار بہتر۔ متقی کا اپنے نفس کو لذات سے روکنا کیا عذاب نہ تھا۔ پھر اس کو  
راحت ملی ہے تو عذاب کے بعد۔ عاصی کی آزادی ایک راحت تھی جس کے بعد  
تکلیف پہنچی۔ راحت بعد تکلیف اور تکلیف بعد راحت دونوں برابر ہیں۔ واہ! ایک  
ایک کی تکلیف محدود ہے اور راحت غیر محدود اور دوسرے کی راحت محدود  
اور تکلیف غیر محدود۔ نہیں جناب! دنیا کی پوری زندگی کا انلا ریمٹ (Inlargement)  
آخرت کی زندگی ہے۔ نہ کچھ کم ہے نہ کچھ زیادہ ہے۔

آخر عذاب سے دوزخیوں کو نجات بھی ہے؟ اس میں علماء کے مختلف خیال ہیں۔  
بعض علماء نے تصوف اور شیخ محی الدین ابن العربی کا قول ہے کہ کفار جنت میں تو  
نہیں جائیں گے مگر احقاب یعنی زمانہ عظیم گزرنے اور رکعت طویل یعنی مدت دراز  
رہنے کے بعد خدائے تعالیٰ کا حب ذاتی غضب عارضی پر غالب آئے گا۔  
الست بتیکو کا جواب ملے کہنا کام آئے گا۔ دوزخیوں پر ان کا عین ثابتہ  
کھل جائے گا۔ قدم رحمن دوزخ میں رکھے جائیں گے اور دوزخ قطع کرے گی۔  
سبقت رحمتی علی غضبی کا ظہور ہو گا۔ شجرۃ الجہیر آگے گا۔ عذاب ہنتم نعیم خاص میں تبدیل ہو جائے گا۔  
بعض حضرات کا خیال ہے جب عین ثابتہ میں علم صحیح تھا ہی نہیں! ہوتا  
تو دنیا میں اس کا ظہور ہوتا۔ دنیا میں علم صحیح اور نور ایمان نہ تھا تو آخرت میں انکشاف  
کی صورت آتی کہاں سے۔ من کان فی ہذہ اعمیٰ فہو فی الاخرۃ اعمیٰ وال سبیل۔  
جہل دائمی کا نتیجہ عذاب ابدی ہے۔ خالدین فیہا ابد۔ بدلتناہم جلودا غیرھا۔  
ایک حالت جاتی ہے دوسری حالت آتی ہے مگر انکشاف کی کوئی صورت نہیں۔  
واللہ اعلم بالصواب۔

کیا وعدہ خلافی اور خلف وعدہ۔ یا خلف وعید اور دھمکی کا خلاف کرنا۔ گناہ کو  
معاف کر دینا درست ہے۔ وعدہ خلافی عیب ہے جو خدا کے لیے درست نہیں۔  
اور خلف وعید و معافی صفات حمیدہ سے ہے جو رحمت کا تقاضا ہے جو خدائے تعالیٰ سے درست ہے بلکہ  
اس سے مال حمت نمایاں ہوتا ہے۔ کیا خلف وعید خلاف خبر وعید و کذب نہیں ہے؟ نہیں تمہارے سمجھنے  
کی غلطی ہے۔ وعید میں خبر استحقاق عذاب ہے نہ کہ خبر عذاب۔

جوزہ نمبر ۱

# فصوص حکمت علیہ

## کلمہ اسماء علیہ کے بیان میں

واضح ہو کہ وہ ذات کہ جس کا نام اللہ ہے۔ اپنی ذات کے لحاظ سے بالکل ایک ہے۔ محض یگانہ ہے۔ بسیط محض ہے۔ ناقابل تبعیض تقسیم ہے۔ اس میں کثرت ہے تو اسما کے لحاظ سے ہے۔ جو نسبتیں مختلف جہتیں اور انتزاعیات ہیں۔

ہر موجود کے لیے اللہ تعالیٰ سے ایک نسبت خاص و تجلی خاص ہے۔ جو اس کا رب خاص کہلاتا ہے۔ ہر ایک موجود پر تمام اسماء کی تجلی برابر طور پر نہیں ہو سکتی ورنہ باہم امتیاز و فرق نہ ہوتا۔ اور یہ محال ہے۔ ہاں انسان کامل جو شان ربوبیت کا مظہر اتم ہے، اس پر تمام اسمائے الہیہ کی تجلی ہوتا ہے۔ اور راحت احدیت الہیہ اور ذات مقدسہ میں کسی ممکن کو قدم نہیں۔ کیونکہ احدیت ذاتیہ کے بارے میں یہ نہیں بولا جاسکتا۔ کہ اس کا کچھ حصہ ایک کے لیے ہے اور دوسرا حصہ دوسرے کے لیے ہے۔ کیونکہ احدیت بسیط ہے۔ تبعیض و تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ مگر یہی احدیت ذاتیہ منشاء انتزاع ہے۔

جز ہفتم

تمام کثرت کا۔ اور شیعہ سہیہ تمام اسما کا۔ اور کل و مجموع بالقوہ ہے۔

سعید و خوش بخت وہ شخص ہے جو اپنے رب کے پاس پسندیدہ و مرضی ہو۔ عالم میں چیزیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے رب کے پاس مرضی و پسندیدہ ہے۔ کیونکہ مربوب و عبد سے رب کی ربوبیت ہے۔ ربوبیت امتنافت ہے۔ متضائفین اور طرفین کو چاہتی ہے۔ بیٹا نہ تھا تو باپ نہ تھا۔ غلام نہیں تو آقا بھی نہیں ہے۔

بربادی عاشق سے کب ہتی ہے مشوقی (حسرت) سب دم سے ہمارے ہے مشوقی و شیدا الی پس ہر مربوب ہر عبد اپنے رب کے پاس مرضی و مقبول ہے تو خوش بخت نیک نصیب ہے۔

اسی لیے سہل ابن عبد اللہ تستری نے کہا۔ ربوبیت کا ایک ”راز“ ہے اور وہ تو ہی ہے (شیخ کہتے ہیں تو سے مراد ہر مخاطب ہے) اگر وہ راز زائل و دور ہو جائے تو ربوبیت باطل ہو جائے۔ دیکھو سہل نے فرمایا لَوْ ظَهَرَ جو صرف امتناعی ہے۔ یعنی امتناع جزا بسبب امتناع شرط کے آتا ہے۔ پس نہ وہ برعینین عین ثابتہ باطل ہو سکتا ہے نہ ربوبیت ہی باطل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عین ثابتہ بغیر اس پر تجلی خاص کے اور اس کے رب کے موجود فی الخارج ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور عین ثابتہ تو علم الہی ہے۔ جو دائماً موجود رہتا ہے۔ تو ربوبیت بھی دائماً موجود رہے گی۔ یا یوں کہو کہ ہر عین خارجی دنیا، برزخ، اور آخرت میں کہیں نہ کہیں موجود رہے گا، تو ربوبیت بھی موجود رہے گی۔

اور ہر پسندیدہ و مرضی چیز محبوب ہوتی ہے اور محبوب کا ہر کام ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ پس محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے۔ ہر حال دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اچھا ہی ہو رہا ہے۔ کیونکہ عین کا کوئی فعل نہیں۔ وہ تو صرف منفعل و مست اثر ہوتا ہے فعل تو اس کے رب کا ہے۔ جو اس میں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ عین کو اس کا تو اطمینان ہو گیا۔ کہ فعل اس کی طرف تو منسوب نہ ہو گا۔ اور عین بھی رب کے ان تمام افعال سے راضی ہو جاوے اس عین میں یا اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ افعال جو عین سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس کے رب کے پاس بھی مرضی و پسندیدہ ہیں۔

جز ہفتم

کیونکہ ہر فاعل و صانع اپنے فعل و صفت سے راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنے فعل یا صفت میں اس کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے۔ اور اپنا پورا پورا کمال دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى۔ اُس نے ہر ایک پر اُس کی استعداد کے موافق تجلی فرمائی اور اُس کو راستے پر لگا دیا۔ اب نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادت۔

اسماعیل علیہ السلام چونکہ اس سر سے واقف تھے جس کو خدائے تعالیٰ نے بیان کیا۔ کہ ہر ایک سے اُس کا رب راضی ہے۔ کیونکہ ہر منظر میں اُس کے رب نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ اس لیے وہ اپنے رب کے پاس مرضی و برگزیدہ ہوئے۔ کیونکہ اس علم کے بعد اطمینان قلب ہو جاتا ہے۔ اور فعل رب سے بظاہر بھی کوئی انکار پیدا نہیں ہوتا جس سے وہ خود خدا کا مرضی و محبوب ہو جاتا ہے۔ گو ہر موجود اپنے رب کے پاس مرضی ہوتا ہی ہے۔ مگر بفسط علم و انکشاف کے اطمینان و سکون کہاں؟ یہ اطمینان و سکون کدھر؟

جب ہر موجود اپنے رب کے پاس مرضی و برگزیدہ ٹھیرا، تو اس سے لازم نہیں آتا۔ کہ وہ دوسرے عبد کے رب کے پاس بھی برگزیدہ و مقبول ہو یعنی ضرور نہیں کہ ”مادی“ کا عبد ”معنوی“ کے پاس بھی مرضی ہو۔ کیونکہ اُس نے اللہ اور رب الارباب سے تو لیا ہے جو کل اور مجموعہ اسما ہے۔ مگر متوسط اپنے رب کے نہ کہ ہر ایک رب سے۔ کیونکہ اُس کو کل و مجموع سے وہی ملا، وہی متعین ہوا، جو اُس کی استعداد کے مناسب تھا۔ اور اُس کی فطرت کا اقتضا تھا اور وہی متعین نسبت اُس کا رب ہوئی۔

کوئی موجود نہ ذات احدیت سے لے سکتا ہے، نہ اُس کو اپنا رب بنا سکتا ہے۔ کیونکہ اس مرتبے میں اضافات و نسب کو دخل نہیں۔ اور عبد در رب میں اضافت ہے۔ اسی لیے اہل اللہ نے تجلی احدیت کو متنع سمجھا۔ کیونکہ احدیت میں کثرت کہاں؟ اور تجلی رب و مربوب اور تجلی یعنی جلوہ گر اور تجلی لہ یعنی جلوہ گاہ کو چاہتی ہے۔ اور دولی کی مقتضی ہے۔

کیونکہ اگر تم نے اُس کو اُس سے دیکھا۔ تو جیسا کہ قرب فرائض میں ہوتا ہے۔